دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

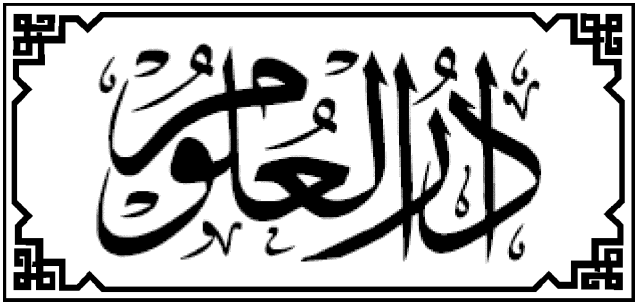

جلد: ۹۵	رجب ۱۴۳۲ھ مطابق جون ۲۰۱۱ء	شمارہ: ۶

نگراں	مدیر
مہتمم دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند- ۲۴۷۵۵۴ یوپی

ہندوستان سے فی شمارہ-/۱۵ روپئے، سالانہ-/۱۵۰ روپئے
سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ-/۱۱۰۰ روپئے
بنگلہ دیش سے سالانہ-/۵۰۰ روپئے، پاکستان سے ہندوستانی رقم-/۵۰۰ روپئے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Mob. : 09411649303 *(Manager)*
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

DARUL ULOOM Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman,
Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

فہرست مضامین

نمبر شمار	نگارش	نگارش نگار	صفحہ
۱	حرفِ آغاز	حبیب الرحمٰن اعظمی	۳
۲	اسلامی تہذیب-حقائق اور خصوصیات	نایاب حسن، سیتامڑھی	۶
۳	کرسی پر نماز (ایک مفصل فتویٰ)	....	۱۶
۴	تحفظ ختم نبوت کی خاطر قربانیاں	مولانا حذیفہ وستانوی	۲۲
۵	حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ کامیاب مربی، مشہور فقیہ، اور عظیم مصنف	مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی ندوی	۳۷
۶	ہندوستان میں دینِ اسلام کی دو عظیم تحریکیں دارالعلوم دیوبند اور تبلیغ ودعوت	ابواللیث الحسنی کھگڑیاوی	۴۵
۷	امام حرم فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالرحمٰن السدیس کی دارالعلوم دیوبند تشریف آوری	مولانا محمد ساجد قاسمی	۴۹
۸	ابّا جان کی وفات پر...	مولانا احمد سجاد قاسمی	۵۵

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

تاریخ عالم گواہ ہے کہ یہود ونصاریٰ نے دین اسلام اور اس کے حلقہ بگوشوں کو کبھی بھی برداشت نہیں کیا ہے، اپنی تاریخ کے ہر دور میں ان دونوں قوموں نے اسلام کی بیخ کنی اور قوم مسلم کے وجود کو صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دینے کے لیے اپنی طاقت اور بس کی حد تک کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔

تہذیب وتمدن کے ان مدعیوں نے اسلام دشمنی میں نہ صرف یہ کہ اپنی حیثیت عرفی کا پاس ولحاظ نہیں کیا؛ بل کہ انسانی روایات اور آدمیت کی جوہری صفات سے انحراف اور گریز سے بھی ننگ وعار محسوس نہیں کی، آغاز اسلام کی روداد سے واقف کون نہیں جانتا کہ محسنِ انسانیت رحمت عالم اور خدائے بزرگ وبرتر کے سب سے برگزیدہ پیغمبر محمد عربی فداہ روحی وابی وامی ﷺ تک کو (نعوذ باللہ) قتل کردینے کی انتہائی مذموم وملعون سازش سے ان کی تاریخ داغدار ہے، انھیں جب کبھی بھی قوت وغلبہ میسر آیا ہے تو خدا کی اس زمین کو خدا کے پرستاروں کے خون سے رنگین کردیا ہے؛ چناں چہ ایک عیسائی سیرت نگار ''جان بیکٹ'' اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

> ''۱۰۹۹ء میں جب عیسائیوں نے ''یروسلم'' کو فتح کیا تو ستر ہزار سے زائد مسلم مردوں، عورتوں اور بچوں کو تہ تیغ کردیا، ایک عینی شاہد کا بیان ہے کہ ''مسجد عمر'' کے صحن میں خون سواروں کے ٹخنوں اور گھوڑوں کی رکابوں تک پہنچ رہا تھا۔''

اسی طرح ۱۴۹۲ء میں جب اسپین سے اسلامی حکومت کا خاتمہ ہوا تو، ساڑھے تین لاکھ مسلمانوں کو عیسائی مذہبی عدالت میں پیش کیا گیا، ان میں سے تقریباً تیس ہزار کو سزائے موت دی گئی اور بارہ ہزار کو زندہ آگ میں جھونک دیا گیا؛ الغرض اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہودیت ونصرانیت کے دہشت گردانہ کردار کا سلسلہ کسی نہ کسی شکل میں اسلام کے ابتدائی زمانہ سے جاری ہے،

یہ جارحیت پسند، امنِ عالم کے دشمن، امن وآشتی کے پیغامبر اور خدائے ہر دوسرا کے پسندیدہ مذہبِ اسلام کو خدا کی سرزمین پر آباد دیکھنا ہی نہیں چاہتے ہیں۔

ادھر حالیہ دس گیارہ سالوں سے تو ان کی اسلام دشمنی میں ایک اُبال سا آگیا ہے، امریکہ اور اس کے چشم وابرو پر رقصاں یورپ اسلام اور مسلمانوں کو ہر جہت سے گھیرنے اور ان کے دائرۂ اثر ونفوذ؛ بل کہ صحیح معنوں میں عرصۂ حیات کو تنگ سے تنگ تر کردینے کے لیے ہر طرح جائز وناجائز ہتھ کنڈے استعمال کررہے ہیں، بین الاقوامی حالات پر نظر رکھنے والے اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کرسکتے کہ اس وقت عالم اسلام (انڈونیشیا سے مراکش، اور اندلس سے یمن تک) مغربی طاقتوں کے نرغے میں ہے، مسلم ممالک کو تباہ وبرباد اور مسلم قوم کو نیست ونابود کردینے کے لیے یکسر جھوٹے الزامات اور بے بنیاد افترا پردازیوں سے بھی یہ اسلام دشمن طاقتیں دریغ نہیں کرتیں۔

اس سچائی سے کس حقیقت پسند کو انکار ہوگا کہ افغانستان پر امریکہ اور اس کے حواریوں کی یورش محض کذب وجبر پر ہی مبنی تھی، جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے، افغانستان پر بزور طاقت مسلط اس جنگ میں ایسے بم بھی برسائے گئے، جس سے میلوں فضا کی آکسیجن ختم ہوجاتی تھی اور انسانوں سمیت ہر ذی روح دم گھٹ کر ختم ہوگیا، اب تک لاکھوں انسان جس میں مرد، عورت، بوڑھے، بچے سب شامل ہیں، امریکہ اور اس کے ہم نواؤں کی ہٹلر شاہی کی قربان گاہ کی نذر ہوچکے ہیں اور بدحال افغانستان کی اس مظلومیت پر امن عالم کے نام نہاد ٹھیکیداروں کی جبین پر شکن تک نہیں آئی۔

افغانستان کی تباہی پر امریکہ اور یورپ کے یہودیوں اور عیسائیوں کا کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہوا تو عراق اور اس کے مصلحت ناآشنا حکمراں صدام حسین کے خلاف ایک جھوٹی سازش رچی گئی اور گلا پھاڑ پھاڑ کر شور مچایا گیا کہ ''عراق'' کے پاس ایسے کیمیاوی مہلک ہتھیار ہیں، جس سے نہ صرف شرق اوسط کو خطرہ ہے؛ بل کہ یورپ اور امریکہ بھی اس کی زد سے محفوظ نہیں ہے، اور اسی جھوٹے اور یکسر جھوٹے پروپیگنڈے کے تحت نہ صرف عراق حکومت کے صدر صدام حسین کو تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا؛ بل کہ پورے عراق کو آگ وخون کے دریا میں غرق کردیا گیا۔

اگر واقعی ان ایٹمی ہتھیاروں پر دسترس رکھنے والی حکومتیں دنیا کے لیے ایسی ہی خطرناک ہیں، جس کا پروپیگنڈہ امریکہ اور یہودیت زدہ میڈیا نے عراق سے متعلق پوری طاقت سے کیا تھا، تو پھر اس بات میں شک کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے کہ آج عالم انسانیت کو سب سے زیادہ خطرہ امریکہ، اسرائیل، فرانس وبرطانیہ وغیرہ سے ہے؛ کیوں کہ ان ہتھیاروں کے سب سے بڑے تاجر اور تیار کرنے والے یہی ممالک ہیں، آخر ایک حقیقت پسند، منصف مزاج، غیر جانب دار مبصر اس رویہ کو مبنی برانصاف کیسے

باور کرسکتا ہے، کہ یہ طاقتیں خود تو ایٹمی ہتھیاروں کا انبار لگائیں؛ مگر کسی دوسرے ممالک بالفاظ واضح مسلم حکومتوں کے بارے میں اگر بے بنیاد شبہ ہو جائے کہ یہ ایٹمی ہتھیار بنانے یا حاصل کرنے کی فکر میں ہیں، تو یہ جارحیت پسند، دہشت گرد، مجرم انسانیت اور بلا تاخیر لائق گردن زدنی ہیں۔

کیا آج اسی جھوٹے شبہ کو بنیاد بنا کر ایران کو گھیرنے اور اسے اپاہج بنا دینے کی اسکیمیں نہیں بنائی جارہی ہیں؟ اسلام اور قوم مسلم پر مذہبی انتہا پسندی، بنیاد پرستی اور دہشت گردی کی بھپتیاں کسنے والے یہ امریکہ اور اس کے حمایتی اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں اور حقیقت پسندی کی کچھ بھی رمق اگر ان میں ہے تو بتائیں کہ مذہبی انتہا پسند، بنیاد پرست، دہشت گرد اور جنونی کون ہے؟ امریکہ اور اس کے اتحادی یا عالم اسلام؟

آج جو پاکستان سے لے کر لیبیا تک مسلم ممالک میں اضطراب و بے چینی پھیلی ہوئی ہے، یہ بھی ''اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تُست'' ہی ہے، ظاہر پسند سمجھتے ہیں کہ حسنی مبارک کو ان کی زندگی بھر کی امریکہ اور اسرائیل نوازی کا صلہ مل گیا ہے؛ لیکن جو لوگ یہودی سازشوں سے کسی حد تک آشنا ہیں، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ عالم اسلام میں برپا اس اتھل پتھل کے پیچھے اسی سازشی گروہ کا خفیہ ہاتھ ہے، جس کے ذریعہ وہ افغانستان اور عراق کی طرح پاکستان، ایران، شام، لیبیا وغیرہ مسلم ممالک پر کرزئی اور مالکی جیسے کرداروں کو مسلط کرنا چاہتے ہیں، یہ ایک قدیم خفیہ منصوبہ کی تکمیل کی طرف پیش قدمی ہے اور خود مسلم حکمرانوں نے عیش پسندی، غفلت شعاری اور اپنے فرائض کی طرف سے لاپرواہی کی بنیاد پر اس کا موقع فراہم کیا ہے۔ عالم اسلام کی یہ موجودہ صورت حال اگرچہ بے حد مایوس کن، انتہائی تشویشناک، اور اضطراب انگیز ہے؛ لیکن یہ بھی ایک زندہ حقیقت ہے کہ دنیا کے نقشہ میں قوم مسلم اور مذاہب وملل کی فہرست میں اسلام کوئی ذہنی وفکری مفروضہ نہیں ہے؛ بل کہ واقعی حقیقت ہے اور حقائق کو آج تک نہ مٹایا جا سکا ہے اور نہ آئندہ مٹایا جا سکے گا؛ اس لیے حقیقت سے آنکھیں چرانے کی بجائے کھلے دل سے اسے تسلیم کیا جانا چاہیے، اور تکرار، آویزش اور فریب وسازش کی بجائے پرامن بقائے باہمی کی راہیں ہموار کرنے کی کوشش کی جانی چاہیے، یہی امن وسلامتی کا راستہ ہے، اس کے برخلاف اگر مذہبی، سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی لحاظ سے قوم مسلم کے آگے رکاوٹیں کھڑی کی جائیں گی اور دنیا کے نقشے سے انھیں مٹا دینے کے منصوبے بنائے جائیں گے تو اس لاحاصل سعی سے صرف دنیا کا امن وامان ہی تباہ ہوگا، قوم مسلم تو ختم ہونے سے رہی۔

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے، اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے

اسلامی تہذیب-حقائق اور خصوصیات

از: نایاب حسن، سیتامڑھی

انسان کی مدنی زندگی اور اجتماعی زندگی کے لیے، تہذیب ایک فطری اور لابدی چیز ہے، دو آدمیوں کے باہمی ملاپ سے جو بچہ عالمِ وجود میں آتا ہے، اس کے پروان چڑھنے کے لیے ماں کی گود ضروری ہے، نیز اس کی نشوونما کے لیے خاندان، معاشرہ اور تعلیم گاہ بھی ضروری ہے، مدنیت انسان کی فطرت ہے اور تہذیب اس کی اساس ہے، سویلائزیشن (تہذیب) کو آپ خواہ لفظی اعتبار سے دیکھیں خواہ تاریخی اعتبار سے اس کا مطالعہ کریں، ہر دو اعتبار سے اس کا تعلق سماجی اور اجتماعی زندگی سے جڑا ہوا نظر آئے گا، عربی زبان میں اس کے لیے مدنیت، حضارت اور ثقافت جیسے الفاظ استعمال ہوتے ہیں اور انگریزی میں بھی Civil, City, Civic یہ سب Civilization کے مصدر کے طور پر مستعمل ہیں۔

تہذیب کیا ہے؟

یہ ایک ایسا گہوارہ ہے، جس میں انسانیت پروان چڑھتی ہے، انسان کا تشخص قائم ہوتا ہے، اس کے لیے ترقی کی راہیں وا ہوتی ہیں اور اس کو اپنا کر زندگی کے ہر موڑ پر انسان کامیاب وکامران ہوتا ہے۔ انسانوں کے درمیان خیالات، اقدار، ادارے، تعلقات اور نظام ہائے زندگی یہ سب اس کا نتیجہ ہیں۔

ثقافت اور تہذیب

ثقافت (کلچر) اور تہذیب (سویلائزیشن) کی اصطلاحیں عمرانیات (سوشیالوجی)، تاریخ اور فلسفے کے مباحث میں استعمال ہوتی ہیں؛ البتہ ان کی تکنیکی تعریف میں شدید اختلاف پایا جاتا

ہے، نیز بعض دفعہ ان دونوں کو مترادف بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

عقیدے، اقدار اور اصولِ حیات کی بنیادی قدریں، جو کسی انسانی گروہ کی مشترک اساس ہوں اور جن کی بنیاد پر کسی قوم یا جماعت کو معاشرے میں ایک متمیز تشخص اور شناخت حاصل ہو، وہ کلچر کہلاتا ہے؛ لیکن واضح رہے کہ کلچر عقیدہ، فکر، عادات اور اخلاق واطوار کے ساتھ ساتھ سیاسی، اجتماعی اور معاشرتی اداروں؛ حتیٰ کہ بین الاقوامی میدانوں میں بھی اپنے آثار چھوڑتا ہے، جس کے نتیجے کے طور پر مختلف علوم وفنون وجود پذیر ہوتے ہیں، آرٹ کی متنوع شکلیں معرضِ ظہور میں آتی ہیں، فن تعمیر کے گوناگوں شاہ کار انسانی نگاہوں کو خیرہ کیے دیتے ہیں، معاشی ادارے تشکیل پاتے اور سیاسی نظام بنتے ہیں؛ اسی مجموعی تشخص کو تہذیب، حضارت اور سویلائزیشن کا نام دیا جاتا ہے اور علوم عُمرانی کی اصطلاح میں ایک کو Mentafacts (ذہنی تشکیل) کہا جاتا ہے اور دوسرے کو Artefacts (سماجی مظاہر) لیکن یہ دونوں باہم مربوط ہوتے ہیں اور ایک کا تصور دوسرے کے بدون غیر ممکن ہے۔

تہذیب کے عناصرِ ترکیبی

کسی بھی تہذیب کے بنیادی طور پر چار عناصر ہوتے ہیں: (۱) اقتصادی ذرائع (۲) سیاسی نظام (۳) اخلاقی اقدار وروایات (۴) مختلف علوم وفنون پر گہری نظر، نیز جس طرح کسی بھی تہذیب کے آگے بڑھنے اور ترقی کے منازل طے کرنے کے متعدد عوامل ہوتے ہیں: کچھ جغرافیائی، کچھ اقتصادی اور کچھ نفسیاتی جیسے: مذہب، زبان اور اصول تعلیم وتربیت، بالکل اسی طرح کسی بھی تہذیب کے نیرِ اقبال کے گہنانے کے بھی چند ایک اسباب ہوتے ہیں، جو اس کی بقا اور ترقی کی راہوں میں گامزن کرنے کے ذرائع سے معارض ہوتے ہیں مثلاً: اخلاقی وفکری زبوں حالی، بدنظمی، ظلم وجور اور فقر وتنگدستی کا شیوع، مستقبل کے تئیں لاپروائی اور باصلاحیت راہ نما اور مخلص قائدین کی نایابی۔

تہذیبِ انسانی کی تاریخ

انسانی تہذیب کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے، جتنا قدیم اس خاک دان ارضی میں خود انسان کا وجود ہے، دراصل یہ سلسلہ ایسا ہے جو اوّل دن سے تا امروز دراز ہے۔

تہذیبِ انسانی کا حیطۂ عمل

کسی بھی تہذیب کا تعلق کسی خاص خطۂ ارضی یا کسی خاص نسلِ انسانی سے نہیں ہوتا؛ بل کہ وہ تمام دنیا اور دنیا کی تمام نسلوں کو محیط ہوتی ہے؛ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں ظہور پزیر ہونے والی ہر قوم تہذیب وتمدن کے باب میں کچھ نہ کچھ صفحات رقم کرتی ہے، گو بعض تہذیبیں اپنی ٹھوس بنیادیں، زبردست اثر انگیزی اور افادۂ عام کی بنا پر دیگر تہذیبوں سے ممتاز ہوجاتی ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ ہر وہ تہذیب جس کا پیغام عالم گیر ہو، جس کا خمیر انسانیت نوازی پر اٹھا ہو، جس کی ہدایات وتوجیہات اخلاقی قدروں کے پاسدار ہوں اور جس کے اصول وضوابط حقیقت پسندی پر مبنی ہوں؛ تاریخ میں ایسی تہذیب کو بقائے دوام حاصل ہوتی ہے، مرورِ ایام کے باوصف انسانی زبانیں اس کے ذکر میں سرگرم رہتی ہیں اور ہر زمانے میں اسے قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔

اسلامی تہذیب

اسلامی تہذیب بھی، انسانی تہذیبوں کے دراز سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اس سے قبل بھی بہت سی تہذیبیں رونما ہوئیں اور اس کے بعد بھی تا قیامت ابھرتی رہیں گی۔

ہماری تہذیب کے ابھرنے، چمکنے اور عالم پر چھا جانے کے متعدد محرکات تھے اور اس کے گمنام وبے نشان ہونے کے بھی مختلف اسباب ہیں، جن کی تفصیل میں جانا ہمارے موضوع سے خارج ہے، ہمارا مقصد تو صرف انسانی ارتقاء کی تاریخ میں اسلامی تہذیب کے عظیم الشان کردار اور دنیا کے مختلف اقوام پر علوم وفنون، عقائد، اخلاقیات، فلسفہ وحکمت اور ادب کے باب میں اس کے ناقابلِ فراموش احسانات کو ذکر کرنا ہے۔

اسلامی تہذیب کی خصوصیات

یوں تو اسلامی تہذیب اپنے جلو میں ہزار ہا خوبیوں اور خصوصیات کو سموئے ہوئے ہے؛ مگر ہم صرف اس کی اہم، مرکزی اور بنیادی خصوصیات کو سپردِ قرطاس کریں گے اور ان شاء اللہ اسی سے تہذیبِ اسلامی کی تمام اگلی وپچھلی تہذیبوں پر برتری وبہتری عالم آشکارا ہوجائے گی۔

پہلی خصوصیت

اسلامی تہذیب کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اساس کامل وحدانیت پر ہے، یہی ایک ایسی تہذیب ہے، جو یہ تصور پیش کرتی ہے کہ کائنات کی ایک ایک شئی صرف اور صرف ایک ذات کی خلق کردہ ہے، اسی کے لیے عبادت اور پرستش ہے اور اسی سے اپنی حاجات وضروریات بیان کرنا چاہیے (ایاك نعبد وایاك نستعین) وہی عزت عطا کرتا ہے اور اسی کے ہاتھ میں کسی کو بھی ذلیل وخوار کردینا ہے، وہی دیتا ہے اور وہی محروم بھی رکھتا ہے اور زمین کی بے کراں وسعتوں اور آسمان کی بے پایاں بلندیوں پر جو کچھ ہے سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ (وھو علی کل شیء قدیر)

عقیدے کے حوالے سے فکر کی اس بلند آہنگی کا طبقۂ انسانیت کو اونچا اٹھانے، عوام کو بادشاہوں، سربراہانِ مملکت، شہ زوروں اور مذہب کے اجارہ داروں کے جور وقہر سے نجات دلوانے، حاکم ومحکوم کے درمیان صدیوں سے پائی جانے والی خلا کو پاٹنے اور انسانی ذہنوں کو ایک مالک حقیقی، کائنات کے خالق اور عالمین کے حقیقی رب کی طرف پھیرنے میں زبردست اثر رہا، نیز اسی عقیدے کی وجہ سے اسلامی تہذیب گزشتہ تمام تہذیبوں میں نمایاں رہی اور آئندہ بھی اس کی انفرادیت باقی رہے گی (انشاء اللہ)؛ کیوں کہ اس کے عقیدے میں، طریقۂ جہاں بانی میں، علوم وفنون اور شعروادب میں غرضیکہ معاشرتِ انسانی کے ہر شعبے میں بت پرستی، اس کے آداب اور اس کی پیچیدہ روایات کی ادنیٰ جھلک بھی نہیں پائی جاتی۔

اسلامی تہذیب میں رومن لٹریچر کے ترجمے سے اعراض اور بت پرست یونان کے ادبی شہ پاروں سے پہلوتہی کا راز یہی ہے اور اسی وجہ سے ہماری تہذیب فن سنگ تراشی اور صورت گری میں دیگر تہذیبوں سے علیحدہ رہی؛ جب کہ نقش ونگاری اور تعمیری مہارت میں اس کی نمائندگی قابل لحاظ ہے۔

اسلام ہی یکہ وتنہا ایسا مذہب ہے جس نے بت پرستی اور اس کے تمام تر مظاہر کے خلاف کھلے بندوں جنگ چھیڑی اور بت پرستی کی ہر جھلک اور اس کے باقیات پر خط نسخ پھیر ڈالا، مثلاً: انبیاء، اولیاء، اصحابِ علم وفضل اور فاتحین کی تصویریں بہ طور یادگار رکھنے کو منع کیا، واضح رہے کہ یہ رسم قدیم وجدید ہر دو تہذیب میں رواجِ عام رکھتا ہے؛ اس لیے کہ ان تہذیبوں میں خدائے واحد

کے حوالے سے وہ تصور مفقود ہے جو اسلامی تہذیب نے پیش کیا ہے۔

پھر اسی عقیدۂ وحدانیت کے زیر اثر وہ تمام قواعد وضوابطِ حیات و وجود پزیر ہوئے جن پر اسلامی تہذیب مشتمل ہے؛ چناں چہ اس کے پیغام اس کے قوانینِ تشریعی، اس کے مقاصد واہداف، اس کے ذرائعِ معیشت اور طرز ہائے فکر، ہر ایک میں وحدت کا رنگ غالب ہے۔

دوسری خصوصیت

اسلامی تہذیب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اہداف اور پیغامات تمام کے تمام آفاقی ہیں، ارشاد ربانی ہے: یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ (حجرات:۱۳) قرآن کریم نے تمام عالم کے انسانوں کو حق، بھلائی اور خلقی شرافت وکرامت کی بنیاد پر ایک کنبہ قرار دیا، پھر اس نے اپنی لائی ہوئی تہذیب کو ایک قلادے کے درجہ میں رکھا، جس میں ان تمام قبائل واقوام کے عمدہ گراں مایہ جواہر کو پرو دیا جنھوں نے مذہب اسلام قبول کیا، پھر اس کی اشاعت وترویج میں کوشاں رہے، یہی وجہ ہے کہ دیگر تمام تہذیبیں کسی ایک نسل اور قوم کے مردانِ کار پر ناز کرتی ہیں، مگر تہذیبِ اسلامی میں وہ تمام افراد مایۂ افتخار ہیں، جنھوں نے اس کے قصرِ عظمت کو بلند کیا؛ چناں چہ ابوحنیفہؒ، شافعیؒ، واحمدؒ، خلیلؒ وسیبویہؒ، کندیؒ وغزالیؒ اور فارابی وابن رشدؒ (جن کی نسلیں بھی مختلف تھیں اور جائے سکونت بھی الگ) کے ذریعہ اسلامی تہذیب نے پورے عالم کو انسانی فکر سلیم کے عمدہ نتائج سے ہم کنار کیا۔

تیسری خصوصیت

اسلامی تہذیب کی تیسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اعلیٰ اخلاقی قدروں کو اپنے تمام ضابطہ ہائے حیات اور زندگی کی سرگرمیوں میں اولیت کا مقام عطا کیا اور ان قدروں سے کبھی بھی خالی نہ رہی؛ چناں چہ علم وحکمت، قوانین شرعیہ، جنگ، مصالحت، اقتصادیات اور خاندانی نظام، ہر ایک میں ان کی قانوناً بھی رعایت کی گئی اور عملاً بھی اور اس معاملے میں بھی اسلامی تہذیب کا پلڑا تمام جدید وقدیم تہذیبوں پر بھاری نظر آتا ہے؛ کیوں کہ اس میدان میں ہماری تہذیب نے قابل فخر آثار چھوڑے ہیں اور دیگر تمام تہذیبوں سے انسانیت نوازی میں سبقت لے گئی ہے۔

چوتھی خصوصیت

ہماری تہذیب کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے سچے اصولوں پر مبنی علم کو خوش آمدید کہا اور پکے مبادیات پر مبنی عقائد کو اپنی توجہ کا مرکز قرار دیا؛ چناں چہ عقل وقلب دونوں اس کے مخاطب ہیں اور فکر وشعور دونوں اس کی جولان گاہ اور یہ بھی تہذیبِ اسلامی کی ایسی خصوصیت ہے جس میں پوری انسانی تاریخ میں اس کا کوئی سہیم وشریک نظر نہیں آتا، اس کے باعثِ افتخار ہونے کا راز یہ ہے کہ اسی کے ذریعہ سے اسلامی تہذیب نے ایسا نظام حکومت قائم کیا جو حق وانصاف پر مبنی ہو اور دین وعقیدے کی پختگی جس کا محور ہو، ایسا نہیں کیا کہ دین کو حکومت اور تہذیب کی ترقیات سے الگ رکھے؛ بل کہ ہر قسم کی ترقی میں دین کو اہم عامل کی حیثیت حاصل رہی؛ چناں چہ بغداد، دمشق، قاہرہ، قرطبہ اور غرناطہ کے منارہ ہائے مسجد سے علم ودانش کی کرنیں پھوٹیں اور عالم کے گوشے گوشے کو منور کر گئیں، اسلامی تہذیب تنہا ایسی تہذیب ہے جس میں دین وسیاست کا امتزاج بھی رہا؛ مگر وہ اس امتزاج کی زیاں کاریوں سے یکسر محفوظ رہی، حکمراں، خلیفہ اور امیر المومنین ہوا کرتا تھا؛ لیکن فیصلہ ہمہ دم حق کے موافق ہوتا، شرعی فتاوے وہی لوگ صادر کرتے جو فقہ وفتاویٰ پر اتھارٹی ہوتے اور ہر کہ ومہ قانون اور فیصلے کے سامنے برابر ہوتا، کسی کو کسی پر وجہ امتیاز حاصل نہ ہوتی سوائے تقویٰ اور لوگوں کی عام نفع رسانی کے، نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے: "وَاللّٰهِ لَو اَنَّ فاطمةَ بنتَ محمدٍ سَرِقَتْ لَقَطَعَ محمدٌ يدَها" (رواه الشيخان) دوسری جگہ فرمایا: "الخلقُ كلُّهم عِيالُ اللّٰهِ فأحبُهم إليه أنفعُهم لِعِياله" (رواہ البخاری) اس مذہب پر ہماری تہذیب کی اساس ہے، جس میں عام طبقۂ انسانی پر نہ تو کسی حکمراں کو کوئی برتری حاصل ہے، نہ کسی عالمِ شریعت کو، نہ کسی اعلیٰ نسب والے کو اور نا ہی تونگر وزورآور کو (قُل إنَّما أنا بشرٌ مِثْلُكُمْ)

پانچویں خصوصیت

ہماری تہذیب کی ایک اور اہم ترین خصوصیت اس کی کشادہ ظرفی اور انتہا سے زیادہ مسامحت ہے، جو مذہب کی بنیاد پر قائم کسی بھی تہذیب میں ناپید ہے۔ کسی ایسے شخص کا جو نہ کسی مذہب کا پیرو ہو اور نہ کسی معبود کی پرستش کرتا ہو، تمام مذاہبِ عالم کو ایک نگاہ سے دیکھنا اور ان کے

اَتباع کے ساتھ معاملۂ عدل کرنا، کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے؛ لیکن ایک ایسا شخص جس کو اپنے دین کے برحق اور اپنے عقیدے کے مبنی برصحت ہونے کا کامل یقین ہو، پھر اسے شمشیر بہ کف ہونے، اقطارِ عالم کو فتح کرنے، ان پر حکومت کرنے اور وہاں کے باشندوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا بھی موقع ملے؛ مگر اپنے دین کی حقانیت وصحت اسے فیصلے میں ظلم وجور کرنے، یا عدالت کی راہوں سے منحرف ہونے یا لوگوں کو اپنے دین کے سامنے سرِ تسلیم خم کردینے پر مجبور کرنے پر برانگیختہ نہ کرے، تاریخ میں ایسا شخص یقیناً عجیب وغریب ہی شمار کیا جائے گا۔

خیر یہ تو کسی ایک شخص کی بات ہے؛ مگر ہماری تو پوری تہذیب کی بنیاد ہی مذہب اور اس کے وضع کردہ اصولوں پر ہے؛ لیکن یہ ایک ناقابل انکار سچائی ہے کہ تاریخ میں سب سے زیادہ مسامحت، انصاف، رحم وکرم اور انسانیت کی علمبردار صرف اور صرف ہماری تہذیب ہے اور ہمارے لیے یہ موجبِ صد افتخار ہے کہ ہماری تہذیب کا قوام صرف ایک مذہب پر ہے؛ مگر اس کی لامحدود وسعتوں میں مذاہبِ عالم کی تہذیب کی سمائی ممکن ہے۔

عالمی تہذیبوں کی تاریخ میں ہماری تہذیب کی یہ چند امتیازی خصوصیات ہیں، جب دنیا حکومت وسلطنت، علم وحکمت اور قیادت وسیادت ہر میدان میں ہمارے زیر نگیں تھی، تو انھیں خصوصیات کی بنا پر ہماری تہذیب ہر قوم ومذہب کے باشعور اور ذہنِ رسا رکھنے والے افراد کے قلوب کو اپنی طرف متوجہ کرلیتی تھی؛ لیکن جب اس کا زور جاتا رہا، اس کو گلے لگانے والے اپنی سیہ کاریوں کی وجہ سے پسماندگی کا شکار ہوگئے اور اس کے بالمقابل دوسری تہذیبیں رونما ہوئیں، تو ہماری تہذیب کی قدر وقیمت پر دنیا کی نگاہیں مختلف انداز سے اٹھنے لگیں؛ چناں چہ کچھ لوگ اس کی ہرزہ سرائی کرنے لگے، تو کچھ مدح سرائی اور کچھ لوگ اس کے فضائل شمار کرانے لگے تو کچھ لوگ اس کے رذائل؛ غرضیکہ جتنے منھ اتنی باتیں۔

ایسا کیوں ہوا؟

اگر تہذیبوں کو پرکھنے کا آلہ فرمانروایانِ مغرب کے ہاتھوں میں نہ ہوتا اور وہ دنیا کی رنگا رنگ طاقت وقوت کے مالک نہ ہوتے، تو وہ کبھی بھی اس دریدہ دہنی کی جرأت نہ کرسکتے تھے؛ کیوں کہ دنیا کا یہ اصول ہے کہ جب کوئی قوم اور اس کی تہذیب وتمدن کسی دوسری قوم کے زیر تسلط ہوتی ہے، تو وہ قوم اپنے تئیں انتہائی ناتواں اور کمزور ہوجاتی ہے اور اس پر فتح یاب قوم پورے

نادیدے پن کے ساتھ اس کے منافع پر ہاتھ صاف کرتی اوران پر حکومت کرتی ہے اور یہ بھی زمانے کا دستور رہا ہے کہ طاقت ور کمزور کی تحقیر وتنقیص کرتا ہے اور ہمہ دن اس کو ذلیل وخوار کرتا رہتا ہے؛ چناں چہ تہذیبِ جدید کے علمبرداروں نے مسلمانوں اور اسلامی تہذیب کے ساتھ اسی روایت کو دہرایا اور دہرا رہے ہیں۔

حالاں کہ تاریخ شاہد ہے کہ جب خطہ ہائے عالم پر ہماری فتح مندی کے پرچم لہرا رہے تھے اور ہم دنیا کے سوپر پاور کی حیثیت میں تھے، تو ہم نے کمزور وشہ زور کے ساتھ انصاف کیا اور ہر صاحب فضل وکمال کے رتبے کو پہچانا اور اسے اس کے لائق مقام ومرتبہ عطا کیا، خواہ وہ دنیا کے مغربی خطے کا ہو یا مشرقی خطے کا اور حقیقت یہ ہے کہ تاریخ انسانی ہم جیسا منصف اور عدل گستر حکمراں اور پاکباز وصاف دل انسان پیش کرنے سے قاصر اور درماندہ ہے۔

لمحۂ فکریہ

قابل افسوس امر یہ ہے کہ ہم اب تک بہ تمام وجوہ نہ سمجھ پائے کہ دنیا کی طاقت ور قومیں ہمارے خلاف کتنا متعصّبانہ رویہ رکھتی ہیں اور کس طرح ہماری روشن اور بے غبار تہذیب کو اپنے ظلم وتعدی کا نشانہ بناتی ہیں، ان میں سے بہت سے افراد تو وہ ہیں جو اپنے دین کے تئیں عصبیت بے جا کے شکار ہیں اور ان کے دیدۂ حق بینی سے محروم ہو چکے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں، جو قومی عصبیت میں مبتلا ہیں اور قومیت کے کبر وفخر کی وجہ سے وہ دوسری قوم کے فضل وکمال کا اعتراف نہیں کرنا چاہتے؛ لیکن اُس وقت ہمیں مہر بہ لب ہونا پڑتا ہے اور ہمارے پاس کوئی عذر نہیں ہوتا، جب ہم مسلمانوں ہی میں سے بعض سرپھروں کو دانایانِ فرنگ کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے دیکھتے ہیں اور ہم سے اس سوال کا کوئی جواب نہیں بن پڑتا کہ آخر چند ایک فرزندانِ اسلام بھی اس اسلامی تہذیب کی تحقیر کرتے ہوئے کیوں نظر آتے ہیں، جس کے سامنے دنیا نے صدیوں اپنے گھٹنے ٹیکے رکھے تھے؟

تہذیبِ اسلامی کا استخفاف کرنے والے ان نام نہاد مسلمانوں کا جواب شاید یہ ہو کہ تہذیبِ نو کے نقوش، جدید علوم کی دنیا میں اس کی نت نئی ایجادات اور فتوحات کے مقابلے میں ہماری تہذیب ہیچ ہے؛ لیکن ان کا یہ جواب کسی حد تک درست ہو تب بھی دو وجہوں سے اسلامی تہذیب کا استخفاف کسی بھی طرح درست نہیں ہوسکتا۔

پہلی وجہ

یہ ہے کہ ہر تہذیب کے دو عنصر ہوتے ہیں: ایک اخلاقی، دوسرا مادی، جہاں تک مادی عنصر کی بات ہے، تو اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ ہر بعد کی تہذیب پہلے کی تہذیب سے اس باب میں سبقت رکھتی ہے، زندگی اور اس کے وسائل کی ترقی کے حوالے سے سنت اللہ یہی رہی ہے؛ لہٰذا تہذیبِ گزشتہ سے ان ترقیات کا مطالبہ کرنا، جو تہذیبِ حاضر کو حاصل ہیں فعل عبث ہے اور اگر یہ درست ہو تو، پھر ہمارے لیے اس بات کی پوری گنجائش ہے کہ ہم اسلامی تہذیب کے پیدا کردہ ان وسائلِ معیشت اور مظاہرِ تمدن کے باب میں جو گزری ہوئی تمام تہذیبوں میں نابود تھیں، ان کی تحقیر و تنقیص کریں؛ لہٰذا اس صداقت کو تسلیم کرلینا چاہئے کہ دنیا کی تہذیبوں کے مابین فرق مراتب کے لیے مادی عنصر کو کبھی بھی بنیاد قرار نہیں دیا جاسکتا۔

رہا اخلاقی عنصر، تو حقیقت یہ ہے کہ یہی عنصر تہذیبوں کو حیاتِ جاوداں عطا کرتا ہے اور اسی کو اپنا کر کوئی بھی تہذیب انسانیت کو خوش بختی سے ہم کنار کرنے اور اسے زندگی کے مصائب اور ہلاکت کے اندیشوں سے نجات دلانے کا فریضہ انجام دے سکتی ہے اور اس میدان میں ہماری تہذیب تمام تہذیبِ رفتہ و آئندہ پر سبقت رکھتی ہے اور کامیابی کی اس معراج پر پہنچی ہوئی ہے کہ تاریخ کے کسی بھی موڑ پر اس کی نظیر نایاب ہے اور ہماری تہذیب کو خلود بخشنے کے لیے کافی ہے؛ کیوں کہ کسی بھی تہذیب کا آخری مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ انسانیت کی سعادت کا ہر ممکن سامان فراہم کرے اور یہ کام ہماری تہذیب نے ایسے احسن و اکمل طریقے پر انجام دیے ہیں کہ شرق و غرب اور شمال و جنوب کی کوئی بھی تہذیب اس کے عشر عشیر کو بھی نہ پہنچ سکی۔

دوسری وجہ

ان مغرب زدہ ذہنوں کے جواب کے لچر اور نامعقول ہونے اور اس کی بنا پر اسلامی تہذیب کی تحقیر کے درست نہ ہونے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ تہذیبوں کے درمیان تقابل کے لیے نہ تو مادی پیمانہ اختیار کرنا چاہیے، نہ کم و کیف اور عدد و مساحت کو معیار بنانا چاہیے اور نا ہی خوراک و پوشاک و معاش کو؛ بل کہ ان کے درمیان تقابل ان کے آثار کے ذریعہ کیا جانا چاہیے، جو انسانی تاریخ میں اس تہذیب کی باقیات ہیں۔

تہذیبوں کے درمیان تقابل ایسا ہی ہے جیسے مختلف ملکوں اور حکومتوں کے درمیان باہمی آویزش؛ چناں چہ ان کے درمیان مقابلہ حدود مملکت کی وسعت اور شہریوں اور افواج کی تعداد سے نہیں ہوتا؛ یہی وجہ ہے کہ قرونِ قدیمہ و وسطیٰ کی فیصلہ کن جنگوں کو لشکر اور آلاتِ حرب کے اعتبار سے اگر دوسری عالم گیر جنگ پر قیاس کیا جائے، تو گزشتہ جنگیں بالکل ہیچ معلوم ہوں گی؛ لیکن اس کے باوجود ان جنگوں کو اپنے دوررس نتائج کی وجہ سے تاریخ میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔

چنانچہ تاریخ کی مشہور زمانہ جنگ جس میں قرطاجنی (Carthajion) سپہ سالار ''ہنیبال'' نے رومیوں کو شرمناک شکست دی تھی، اس کے واقعات اب بھی یورپ کی تعلیم گاہوں میں زیر تدریس ہیں، اسی طرح حضرت خالد بن ولیدؓ کی شام کی فتوحاتی مہم کے معرکے تاہنوز مغربی ماہرینِ جنگ کی تحقیق کا میدان اور ان کی حیرت وتعجب کا باعث ہیں، نیز یہ معرکے ہماری تہذیب کی جنگی فتوحات کی تاریخ کے سنہرے صفحات کی حیثیت رکھتے ہیں۔

❁ ❁ ❁

کرسی پر نماز
(ایک مفصل فتویٰ)

۷۲۳/ د

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام، مفتیان عظام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے شہر کی مساجد میں معذور افراد کے لیے ﴿جیسے پیر میں تکلیف، گھٹنوں میں درد، کمر درد یا کھڑے نہ ہو پانا، یا سجدہ زمین پر نہ کر پانا یا کوئی اور عذر ہو جس سے نماز کھڑے ہو کر ادا نہیں کر سکتے﴾ مسجد کی صف میں دونوں کنارے پر کرسیاں رکھی جاتی ہیں؛ تاکہ معذور افراد اس پر نماز ادا کر سکیں، ایسے ہی ہماری بھی مسجد میں معذور افراد کے لیے کرسی کا انتظام ہے؛ مگر وہ کرسیاں ایک خاص ڈیزائن کی بنی ہوئی ہیں، بعض افراد نے اعتراض کیا ہے کہ ایسی کرسی پر نماز کا پڑھنا درست نہیں ہے۔

جواب طلب امر یہ ہے کہ اس خاص ڈیزائن والی کرسی پر مذکورہ معذور افراد کی نماز درست ہو سکتی ہے یا نہیں؟ یا پلاسٹک والی کرسی پر نماز ادا کی جائے، یاد رہے کہ خاص ڈیزائن والی کرسی اِسٹیل کی بنی ہوئی ہے، مزید معلومات کے لیے کرسی کی تصویر نماز ادا کرنے کی حالت کی بھیجی جارہی ہے؛ تاکہ نماز کی ہیئت سمجھنے میں دشواری نہ ہو، جس میں تصویر نمبر ایک کی حالت سجدہ کی ہے جس میں مکمل سجدہ کرسی پر ہے اور تصویر نمبر دو کی حالت بھی سجدہ کی ہے جس میں اشارتاً سجدہ کیا جارہا ہے اور تصویر نمبر تین کی حالت رکوع کی ہے جس میں رکوع کو ادا کرتے ہوئے دکھایا ہے ایک رکوع کی شکل گھٹنے پر کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے اور ایک رکوع کی لکڑی پر ہے دونوں میں سے کونسی شکل درست ہے، آپ حضرات سے درخواست ہے کہ تصویر میں خاص شکل والی کرسی پر نماز کا ادا کرنا درست ہے یا نہیں جو کہ اسٹیل کی ہے اور پلاسٹک والی کرسی پر نماز ادا کرنے کا کیا حکم ہے، نماز ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ یعنی رکوع، سجدہ وغیرہ کا کیا طریقہ ہے؟ اور تصویر میں جو سجدہ اور رکوع کی

حالت دکھائی گئی ہے اس حالت میں نماز ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ قرآن واحادیث کی روشنی میں اور فقہاء کرام کے ارشادات کے مطابق جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ومشکور ہوں۔

فقط

بندہ آفاق احمد خاں کوپرکھیرنہ نوی ممبئی

9320033837

نوٹ: فوٹو ضرورت کے تحت کھینچا گیا ہے واپس جواب کے ساتھ بھیج دیں مہربانی ہوگی

۲۲۳/ فائل ''ذ''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قیام اور سجدہ پر قادر شخص کے لیے نماز میں قیام فرض اور نماز کا رکن ہے۔ اگر قیام اور سجدہ پر قدرت ہوتے ہوئے فرض نماز بیٹھ کر ادا کی جائے تو رکن کے فوت ہونے کی وجہ سے نماز نہیں ہوگی، نماز کا اعادہ ضروری ہوگا، مِنْ فرائضِها القيامُ في فرضٍ لِقادرٍ عليه على السجود (درمختار مع الشامی زکریا: ۲/۱۳۲) یہاں تک کہ اگر نماز میں قیام کے کچھ حصے پر قدرت ہے مکمل طور پر قیام پر قادر نہیں تو جتنی دیر قیام کرسکتا ہے خواہ کسی عصا یا دیوار پر ٹیک لگا کر ہی کیوں نہ ہو، اتنی دیر قیام کرنا فرض ہوگا، اگر اتنی دیر قیام نہ کیا یا ٹیک لگا کر کھڑا نہ ہوا اور بیٹھ کر نماز مکمل کی تو نماز نہیں ہوگی۔ وإن قدر على بعض القيام ولو متكئاً على عصاً أو حائط قام لزوماً بقدر ما يقدر ولو قدر آية أو تكبيرة على المذهب؛ لأن البعض معتبر بالكل (درمختار مع الشامی زکریا: ۲/ ۵۶۷) اگر کوئی شخص قیام پر قادر ہے؛ مگر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں رکوع سجدہ یا صرف سجدہ پر قادر نہیں تو اس کے لیے بیٹھ کر نماز ادا کرنا جائز ہے وہ اشارہ سے رکوع وسجدہ ادا کرے، اس صورت میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کے مقابلے میں بیٹھ کر اشارہ سے نماز ادا کرنا افضل اور بہتر ہے و ان تعذرا، ليس تعذُّرَهما شرطاً بل تعذر السجود كافٍ، لا القيام أومأ قاعدًا؛ لأن ركنية القيام للتوصل إلى السجود فلا يجب دونه (درمختار مع الشامی زکریا: ۲/ ۵۶۷) فتاویٰ عالمگیری: ۱/ ۱۳۶ میں بھی اسی کے مثل ہے۔

جو اعذار قیام کو ساقط کرنے والے ہیں وہ دو قسم کے ہیں: (۱) حقیقی: یعنی اس طرح معذور ہو کہ قیام اس کے لیے ممکن نہ ہو۔ (۲) حکمی: یعنی اس درجہ معذور نہ ہو کہ قیام پر قدرت ہی نہ ہو؛ بلکہ

قدرت تو ہو مگر گر جانے کا اندیشہ ہو یا ایسی کمزور حالت ہو جو عندالشرع عذر میں شامل ہے، مثلاً: بیمار ہے اور ماہر مسلم تجربہ کار ڈاکٹر نے کہا ہو کہ کھڑے ہونے میں بیماری میں اضافہ ہوگا یا بیماری دیر سے صحیح ہوگی؛ یا کھڑے ہونے میں ناقابلِ برداشت درد ہوتا ہو، ان صورتوں میں بیٹھ کر نماز ادا کرنا جائز ہے۔ مَنْ تعذر عليه القيامُ لمرضٍ حقيقي، وحدَه أن يلحَقَه بالقيامِ ضررٌ، وفي البحر: أراد بالتعذر، التعذر الحقيقي بحيث لو قام سقط، أو حكمي بأن خاف أي غلب على ظنه بتجربة سابقة أو إخبار طبيب مسلم حاذق زيادته أو بُطأ برئه بقيامه أو دوران رأسه أو وجد لقيامه ألماً شديدًا صلى قاعدًا (درمع الردز کریا:۲/ ۵۶۵) اگر غیر معمولی درد نہ ہو؛ بلکہ ہلکی اور قابل برداشت تکلیف کا سامنا ہو تو یہ عندالشرع عذر نہیں اس صورت میں بیٹھ کر نماز ادا کرنا جائز نہیں، وإن لم يكن كذلك (أي بما ذُكر) ولكن يلحقه نوعُ مشقةٍ لا يجوز تركُ القيام (تاتارخانیہ زکریا:۲/ ۶۶۷)، جو شخص قیام پر قادر نہیں، لیکن زمین پر بیٹھ کر سجدہ کے ساتھ نماز ادا کرسکتا ہے تو اس کو زمین پر بیٹھ کر سجدہ کے ساتھ نماز ادا کرنا ضروری ہے، زمین پر سجدہ نہ کرتے ہوئے کرسی پر یا زمین پر اشارہ سے سجدہ کرنا جائز نہیں۔ وإن عجز عن القيام وقَدَرَ على القعود؛ فإنه يصلي المكتوبةَ قاعدًا بركوعٍ وسجود ولا يجزيه غير ذلك (تاتارخانیہ زکریا:۲/ ۶۶۷)، اگر رکوع سجدہ پر قدرت نہیں اور زمین پر بیٹھ کر اشارہ سے نماز ادا کرسکتا ہے تو تشہد کی حالت پر بیٹھنا ضروری نہیں؛ بلکہ جس ہیئت پر بھی خواہ تورک (عورت کا تشہد میں بیٹھنے کا طریقہ) کی حالت پر یا آلتی پالتی مار کر بیٹھنا سہل وممکن ہو اس ہیئت کو اختیار کر کے زمین ہی پر بیٹھ کر اشارہ سے نماز ادا کی جائے، کرسیوں کو اختیار نہ کیا جائے؛ کیوں کہ شریعت نے ایسے معذورین کو زمین پر بیٹھنے کے سلسلے میں مکمل رعایت دی ہے کہ جس ہیئت میں ممکن ہو بیٹھ کر نماز ادا کرے من تَعَذَّرَ عليه القيامُ لمرضٍ... أو خَافَ زيادتَهُ... أو وَجَدَ لقيامه ألماً شديداً صلى قاعداً كيف شاء (درمختار مع الشامی زکریا:۲/ ۵۶۶) اس صورت میں بلاضرورت کرسیوں پر بیٹھ کر نماز ادا کرنا بہ چند وجوہ کراہت سے خالی نہیں۔

(۱) زمین پر بیٹھ کر ادا کرنا مسنون طریقہ ہے اسی پر صحابہ کرامؓ اور بعد کے لوگوں کا عمل رہا ہے، نوے کی دہائی سے قبل تک کرسیوں پر بیٹھ کر نماز ادا کرنے کا رواج نہیں تھا، نہ ہی خیرالقرون سے اس طرح کی نظیر ملتی ہے۔

(۲) کرسیوں کے بلاضرورت استعمال سے صفوں میں بہت خلل ہوتا ہے؛ حالاں کہ اتصال

صفوف کی حدیث میں بہت تاکید آئی ہے: قال النبي صلى الله عليه وسلم: راصّوا صفوفَكُمْ وقارِبوا بينها وحَاذَوا بالأعناق فوالذي نفسُ محمدٍ بيدهٖ إني لَأرى الشياطين تدخل من خلل الصف كأنها الخذف (نسائی:۱/۱۳۱)

(۳) بلاضرورت کرسیوں کو مساجد میں لانے سے اغیار کی عبادت گاہوں سے مشابہت ہوتی ہے اور دینی امور میں ہم کو غیروں کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔

(۴) نماز، تواضع وانکساری سے عبارت ہے اور بلاضرورت کرسی پر بیٹھ کر ادا کرنے کے مقابلے میں زمین پر ادا کرنے میں یہ انکساری بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔

(۵) نماز میں زمین سے قرب ایک مطلوب شے ہے جو کرسیوں پر ادا کرنے میں مفقود ہے۔ البتہ اگر زمین پر کسی بھی ہیئت میں بیٹھ کر نماز ادا کرنا دشوار ہوجائے تو پھر کرسیوں پر ضرورت کی وجہ سے نماز ادا کی جاسکتی ہے؛ لیکن اگر زمین پر بیٹھ کر رکوع وسجدہ کی قدرت ہوگی تو پھر کرسی پر نماز ادا کرنا جائز نہیں ہوگا۔

بہرحال جس صورت میں ضرورۃً کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اس میں بھی مصلی کو چاہیے کہ سجدے کے وقت اشارہ پر اکتفا کرے؛ جہاں تک کرسی کے کسی حصے (مثلاً: اس پر لگی لکڑی) پر سجدہ کرنے کی بات ہے تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ بحالت معذوری کسی اونچی چیز پر سجدہ کرنے کے سلسلے میں روایات مختلف آئی ہیں: چناں چہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ ایک صحابی کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے وہ صحابی معذوری کی وجہ سے نماز میں ایک تکیہ پر سجدہ کرتے تھے، آپ ﷺ نے ان کو اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا: اگر زمین پر سجدہ کرنا تمہارے بس میں نہ ہو تو اشارے سے نماز ادا کرو اور سجدہ میں رکوع کے مقابلے میں زیادہ جھکو، رواه البزار، ورجاله رجال الصحيح (اعلاء السنن:۷/۱۷۸)

دوسری روایت ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جب بیمار ہوئیں تو ان کے سامنے تکیہ رکھ دیا گیا تھا اس پر وہ سجدہ کرتی تھیں، آپ ﷺ نے دیکھا تو اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، اور آں حضور ﷺ کا کسی عمل کو دیکھ کر سکوت اختیار کرنا اس کے اذن کی دلیل ہے۔

علامہ شامیؒ نے دونوں روایتوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ کراہت اس صورت میں ہے جب آدمی دوران نماز کوئی چیز اٹھا کر اس پر سجدہ کرے اگر زمین میں پہلے سے کوئی چیز نصب کردی گئی ہو جس پر مصلی سجدہ کرے تو یہ بلا کراہت جائز ہے۔

اقول: هذا محمول على ما إذا كان يحمل إلى وجهه شيئاً يسجد عليه، بخلاف ما إذا كان موضوعاً على الأرض. (وقال بعد أسطر:) بأن مفاد هذه المقابلة والاستدلال عدم الكراهة في الموضوع المرتفع (شامی: ۲/ ۵۶۸) علامہ حلبیؒ نے بھی کراہت کو شکل اوّل پر محمول کیا ہے (حاشیه الشلبی علی التبیین: ۱/ ۲۰۰، ط: پاکستان) فتاویٰ عالمگیری میں بھی یہی تطبیق منقول ہے۔ (ہندیہ: ۱/ ۱۳۶، ط: زکریا)

مذکورہ بالا عبارات کا حاصل یہی ہے کہ کسی نصب شدہ اونچی چیز پر سجدہ کرنا، یا بغیر کچھ رکھے ہوئے سجدہ کے لیے صرف اشارہ کرنا دونوں جائز ہے، مگر مذکورہ ٹیبل والی کرسی پر سجدہ، حقیقی سجدہ نہیں ہوگا؛ بلکہ وہ بھی اشارہ ہی ہوگا، مذکورہ کرسی پر بیٹھ کر اگر کوئی شخص نماز پڑھائے گا تو اس کے پیچھے رکوع وسجدہ کرنے والوں کی نماز نہیں ہوگی، علامہ شامی لکھتے ہیں: إن كان الموضوع مما يصح السجود عليه كحجر مثلاً ولم يزد ارتفاعه على قدر لبنة أو لبنتين فهو سجود حقيقي فيكون راكعاً وساجدًا، وإن لم يكن الموضوع كذلك يكون مومئاً فلا يصح اقتداء القائم به (شامی زکریا: ۲/ ۵۶۹) لیکن نبی کریم علیہ السلام اور دیگر صحابۂ کرامؓ کے منع کرنے کی وجہ سے اس کا غیر اولیٰ ہونا معلوم ہوتا ہے، نیز ایک خرابی یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کو جو عام کرسی پر نماز ادا کر رہے ہوں، اپنی نماز میں کمی کا شبہ ہوگا کہ ہم نے کسی میز پر سجدہ نہیں کیا، حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ نے بھی اس کو غیر اولیٰ کہا ہے: ''سجدہ کرنے کے لیے تکیہ وغیرہ کوئی اونچی چیز رکھ لینا اور اس پر سجدہ کرنا بہتر نہیں، جب سجدہ کی قدرت نہ ہو تو بس اشارہ کرلیا جائے، تکیہ کے اوپر سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ (بہشتی زیور: ۲/ ۴۵ بیمار کی نماز کا بیان)

اب اختصار کے ساتھ جواب کا ماحصل ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

(۱) جو شخص قیام پر قادر نہ ہو، لیکن کسی بھی ہیئت پر زمین پر بیٹھ کر رکوع وسجدہ کے ساتھ نماز ادا کرسکتا ہے، تو اس کو زمین ہی پر بیٹھ کر رکوع وسجدہ کے ساتھ نماز ادا کرنا ضروری ہے، کرسی پر بیٹھ کر رکوع وسجدہ کے اشارے سے نماز ادا کرنا جائز نہیں، نماز نہیں ہوگی۔

(۲) اگر قیام پر قدرت ہے، لیکن گھٹنے کمر میں شدید تکلیف کی وجہ سے سجدہ کرنا طاقت سے باہر ہو، یا وہ شخص جو زمین پر بیٹھنے میں قادر ہے، مگر رکوع وسجدہ پر قدرت نہیں رکھتا تو یہ حضرات زمین پر بیٹھ کر نماز ادا کریں کرسیوں کو استعمال کرنا کراہت سے خالی نہیں؛ البتہ اگر زمین پر کسی بھی ہیئت میں بیٹھنا دشوار ہو تب کرسی پر نماز ادا کی جاسکتی ہے، کرسی استعمال کرنے کی

صورت میں بھی عام سادہ کرسی پر نماز ادا کی جائے، ٹیبل والی کرسی پر نماز ادا کرنے سے احتراز کیا جائے، رکوع کے لیے تین نمبر کی شکل صحیح ہے۔ (اس جملے کا تعلق مستفتی کی بھیجی ہوئی تصویر سے ہے۔ (زین)

زمین یا کرسی پر نماز ادا کرنے سے متعلق دو امر قابل لحاظ ہیں:

(۱) کرسی پر اشارہ کرنے کی صورت میں بعض لوگ رکوع میں ہاتھ کو ران پر رکھتے ہیں اور سجدہ کی حالت میں فضا میں معلق رکھ کر اشارہ سے سجدہ کرتے ہیں ایسا کرنا ثابت نہیں، رکوع وسجدہ دونوں میں ہاتھ کو ران پر رکھنا چاہیے۔

(۲) معذوری کی حالت میں زمین پر بیٹھ کر رکوع وسجدہ کے ساتھ نماز ادا کرنے کی صورت میں رکوع میں سر ین کا زمین سے اٹھنا ضروری نہیں؛ بل کہ پیشانی کا گھٹنے کے مقابل ہونا ضروری ہے، جیسا کہ امداد الاحکام میں ہے: بحالت جلوس رکوع کرتے ہوئے صرف اتنا ضروری ہے کہ پیشانی کو گھٹنے کے مقابل کر دیا جائے، اس سے زیادہ جھکنے کی ضرورت نہیں، نہ سر ین اٹھانے کی ضرورت ہے۔ (امداد الاحکام، ۱/۶۰۹)

اب کرسیوں پر نماز ادا کرنے والے حضرات اپنے احوال پر غور فرمائیں کہ کیا واقعتاً وہ اس درجہ معذور ہیں کہ شرعاً ان کے لیے کرسی پر نماز ادا کرنا جائز ہو، اگر وہ اُس درجہ معذور نہیں تو پھر کرسیوں پر نماز پڑھنے سے احتراز کریں؛ تاکہ مساجد میں بے ضرورت کرسیوں کی کثرت نہ ہو۔

بوقت ضرورت کرسی اختیار کرنے کی صورت میں ٹیبل والی کرسی اختیار نہ کی جائے۔

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	فقط واللہ تعالیٰ اعلم
حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ	فخر الاسلام	محمود حسن غفرلہ	کتبہ الاحقر
		بلند شہری	زین الاسلام قاسمی الہ آبادی
			نائب مفتی دارالعلوم دیوبند
			۱۴۳۲/۵/۲۵ھ

❁ ❁ ❁

تحفظ ختم نبوت کی خاطر قربانیاں

(۱)

از: مولانا حذیفہ وستانوی
ناظم تعلیمات ومعتمد جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

اللہ رب العزت نے اشرف الخلائق حضرت انسان کی ہدایت کے لیے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، سنۃ اللہ کے مطابق اس سلسلۃ الذہب کو نبی کریم ﷺ پر ختم کیا؛ کیوں کہ دنیا میں اللہ کا دستور ابتدائے آفرینش سے چلا آیا ہے کہ ہر چیز کا مبدأ بھی لازم ہے اور منتہاء بھی، چاہے وہ مادی ہو یا روحانی؛ لہٰذا نبوت کے اس وہبی دستور کے مطابق حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے سلسلۂ نبوت کا آغاز ہوا، اور حبیبِ کبریاء، احمد مصطفیٰ محمد مجتبیٰ ﷺ پر یہ سلسلہ نبوت ختم ہوا؛ گویا یہ ایک قدرتی قانون کے تحت ہوا۔

نبی کریم ﷺ کی بعثت ایک انقلاب آفریں بعثت ہے، آپ ﷺ کی بعثت سے دنیا میں تمام ظلمتیں چھٹ گئیں، دنیا جو ظلمت کدہ بنی ہوئی تھی پُرنور اور روشن ہوگئی، جس کی برکتوں کے اثرات آج چودہ صدیوں کے بعد بھی محسوس کیے جارہے ہیں اور قبیل قیامت تک محسوس کیے جاتے رہیں گے اور پھر حشر ونشر میں بھی اور میزان وحساب میں بھی آپ کی برکتیں جلوہ گر ہوں گی۔ انشاء اللہ!

آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد عظیم فتنوں نے سر اٹھایا، مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غیرت ایمانی، حمیت اسلامی، بلند حوصلگی اور حکمت عملی نے تمام فتنوں کو ایک سال سے بھی کم عرصے میں کافور کرکے رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ رضی اللہ عنہ کو پوری امت کی طرف سے بہترین بدلہ عطا فرمائے، آمین!

عجیب بات

یہ بات تعجب خیز ہے کہ اہل کتاب یہود ونصاریٰ نے سب سے پہلے اسلام کے خلاف جو سازش رچی وہ تھی عقیدۂ ختم نبوت ﷺ پر کاری ضرب؛ اس لیے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد جو

پانچ افراد نے دعوۂ نبوت کیے، الاستاذ جمیل مصری کی تحقیق کے مطابق ان سب کے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔ تاریخ کے مستند حوالوں سے اپنی تحقیقی کتاب "أثر أهل الكتاب فى الحروب والفتن الداخلية فى القرن الأول" میں ثابت کیا ہے۔ دوسری جانب حضرات صحابہ نے بھی اس کو گویا بھانپ لیا، خاص طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور آپ نے "أ ينقص الدين وأنا حي" کا تاریخی جملہ کہہ کر صحابۂ کرام کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ عقیدۂ ختم نبوت ﷺ کی اہمیت خوب اچھی طرح سمجھیں اور تاریخ کے رُخ پھیر دینے والے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے کمربستہ ہوجائیں۔ الحمدللہ! حضرت ابوبکرؓ کی کوششوں اور اللہ کے فضل سے صحابہؓ نے اس بات پر اجماع کرلیا کہ عقیدۂ ختم نبوت ﷺ کو تحفظ فراہم کیا جائے، نبوت کے دعویداروں کو کافر قرار دیا جائے اور ان کے خلاف جہاد فرض گردانا جائے، اس طرح یہ صحابہؓ کا سب سے پہلا اجماع منعقد ہوگیا کہ ختم نبوت کا تحفظ ایک اہم ترین فریضہ ہے اور دعویِ نبوت کرنے والا کافر ہے، اس سے جہاد فرض ہے۔

بس پھر کیا تھا، اس عقیدے کے تحفظ کی خاطر مدینہ سے گیارہ لشکر ان مدعیان نبوت کی سرکوبی کے لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکم پر میدان کارزار میں کود پڑتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک سال سے بھی کم عرصہ میں یا تو مدعیان نبوت اپنے انجام کو پہنچ جاتے ہیں، یا توبہ وانابت کرکے دوبارہ اسلام میں داخل ہوجاتے ہیں۔

	قائدین	جہت
۱-	خالد بن سعید بن عاص	مشاف بلاد شام
۲-	عمرو بن العاص	دومۃ الجندل
۳-	خالد بن ولید	بُزاخہ، البطاح، یمامہ
۴-	عکرمہ بن ابی جہل	یمامہ، عمان ومہرہ، حضرت موت، یمن
۵-	شرحبیل بن حسنہ	یمامہ، حضرت موت
۶-	علاء ابن الحضرمی	بحرین، دارین
۷-	حذیفہ بن محض الغلفانی	عمان
۸-	عرفجہ ابن ہرثمہ البارقی	عمان، مہرہ، حضرموت، یمن
۹-	طریفہ بن حاجز	شرق حجاز، بنوسلیم کی طرف

۱۰- مہاجر بن ابی امیہ یمن، کندہ، حضرموت

۱۱- سوید ابن مقرن الذنی تہامۃ الیمن

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں "واللّٰہِ الذي لَا الٰہَ إلّا ھو لَولَا أنَّ أبا بکرٍ استَخْلَفَ مَا عُبِدَ اللّٰہ" اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اگر ابوبکر آپ ﷺ کے بعد خلیفہ نہ بنائے جاتے تو اللہ کی عبادت نہ کی جاتی۔ (رواہ البیہقی بحوالہ ازالۃ الخفاء، ج:۱،ص:۳)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: لَقَدْ قُمْنا بعدَ رسولِ اللّٰہِ صلی اللّٰہُ علیہ وسلم مقاماً کِدنَا نُھلَكُ فیہ لَولَا أنَّ اللّٰہ مَنَّ علینا بأبي بکر أجْمَعْنا علی أنْ لا نقاتلَ علی ابنۃ مخاض وابنۃ لبون وان نأکل قریٰ عربیۃ ونَعْبُدَ اللّٰہَ حتی یأتینا الیقینُ نَعْزِمُ اللّٰہَ لأبي بکر علی قِتالِھم. (التاریخ الکامل لابن اثیر، ج:۲،ص:۲۰۵)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی وفات حسرت آیات کے بعد ہم ہلاکت خیز حالات سے دوچار ہوگئے تھے؛ مگر اللہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جیسی بصیرت افروز) شخصیت کے ذریعہ ہم پر احسان عظیم کیا، ہم لوگ (یعنی جماعت صحابہ) یہ طے کر چکے تھے کہ مانعین زکوٰۃ کے ساتھ قتال نہیں کریں گے اور جو کچھ تھوڑا بہت رزق میسر آئے گا اس پر اکتفا کریں گے اور اس طرح موت تک اللہ کی عبادت کرتے رہیں گے؛ مگر اللہ رب العزت نے حضرت ابوبکر کو مانعین کے ساتھ قتال کا پختہ حوصلہ دیا۔

مؤرخ کبیر، مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ بیسویں صدی میں مسلمانوں کی گمراہیوں کو دیکھ کر دل برداشتہ ہوکر فرماتے تھے "رِدَّۃٌ ولا أبا بکرٍ لھا" کہ ارتداد ایک بار پھر زوردار سر اٹھایا ہے؛ مگر افسوس اس کا مقابلہ کرنے کے لیے ابوبکر جیسا حوصلہ نہیں، ان جیسی حمیت وغیرت نہیں، اس موضوع پر آپؒ کی مستقل کتاب ہے۔ واقعتاً حضرت نے بالکل درست کہا جیسی فکری یلغار حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں تھی آج بھی ویسی ہی کیفیت ہے، تب ابوبکر تھے؛ مگر آج کوئی ابوبکر تو کیا ان کا عشر عشیر بھی نہیں، اللہ ہی مدد اور حفاظت فرمائے، آمین!

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں تحفظ ختم نبوت کی خاطر ہزاروں صحابہؓ نے اپنی جانوں کو قربان کردیا، بیسویں صدی میں تحفظ ختم نبوت کے لیے نمایاں خدمات انجام دینے والوں میں حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا نام سرِفہرست ہے، آپ فرماتے ہیں:

’’جولوگ تحریک ختم نبوت میں جہاں جہاں شہید ہوئے، ان کے خون کا جوابدہ میں ہوں، وہ عشقِ رسالت میں مارے گئے، اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں، ان میں جذبۂ شہادت میں نے پھونکا تھا۔‘‘ (حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری نوراللہ مرقدہٗ کی تحریک کی وجہ سے ختم نبوت کے لیے امت میں بیداری پیدا ہوئی اور امت مسلمہ ہندیہ پورے جوش وجذبہ کے ساتھ میدان کارزار میں کود پڑی، جب کچھ جدید تعلیم یافتہ لوگوں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ اس تحریک کی خاطر شہید ہورہے ہیں تو انھوں نے اپنے آپ کو اس تحریک سے علیحدہ کرکے یہ ثابت کرنا چاہا کہ جولوگ مارے گئے یا مارے جارہے ہیں، ہم اس کے ذمہ دار نہیں، تب پھر حضرت نے اپنی تقریر میں کہا) جولوگ ان کے خون سے دامن بچانا چاہتے ہیں، میں ان سے کہتا ہوں کہ میں حشر کے دن بھی، ان کے خون کا ذمہ دار ہوں گا؛ کیوں کہ ختم نبوت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی سات ہزار حفاظ قرآن، تحفظ ختم نبوت کی خاطر شہید کروادیئے تھے۔ (اور غیر حافظوں کی تعداد اس سے تقریباً دوگنی ہوگئی)۔ (تحریک ختم نبوت کا آغاز شورش کاشمیری بحوالہ روزنامہ اسلام)

صداقت کے لیے گر جان جاتی ہے تو جانے دو
مصیبت پر مصیبت سر پہ آتی ہے تو آنے دو

مناظر اسلام مولانا لعل حسین اختر نے بڑا عجیب شعر کہا ہے۔

جلادو پھونک دو سولی چڑھا دو خوب سن رکھو
صداقت چھپ نہیں سکتی ہے جب تک جان باقی ہے

خلاصہ یہ کہ اسلامی دور حکومت میں، جب بھی کسی نے ختم نبوت پر حملہ کیا، یا حرف زنی کی، مسلمان خلفاء وامراء نے ان کو کیفر کردار تک پہنچادیا، جس کی سیکڑوں مثالیں تاریخ کے سینے میں محفوظ ہیں، تو آیئے! مدعیان نبوت اور منکرین ختم نبوت کے بدترین انجام پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

شمار	اسمائے منکرین ختم نبوت	انجام	سن انجام	دور خلافت وحکومت
۱	عبہلہ بن کعب معروف باسود العنسی	قتل ہوا	۱۱ھ	حضرت ابوبکر صدیقؓ
۲	مسیلمہ بن کبیر حبیب الکذاب	قتل ہوا	۱۱ھ	حضرت ابوبکر صدیقؓ
۳	مختار بن ابوعبدابن مسعود ثقفی	قتل ہوا	۶۷ھ	حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ

۴	حارث ابن سعید کذاب	قتل ہوا	۷۹ھ	عبدالملک ابن مروان
۵	مغیرہ ابن سعید عجلی	قتل ہوا	۱۱۹ھ	ہشام بن عبدالملک بن مروان
۶	بیان ابن سمعان	قتل ہوا	۱۲۶ھ	ولید ابن یزید
۷	اسحاق اخراس	قتل ہوا	-	خلیفہ ابوجعفر منصور
۸	سیس خراسانی	قتل ہوا	۱۵۰ھ	خلیفہ ابوجعفر منصور
۹	ابوعیسیٰ بن اسحاق یعقوب اصفہانی	قتل ہوا	-	خلیفہ ابوجعفر منصور
۱۰	حکیم مقنع خراسانی	خودکشی کی	۱۶۳ھ	خلیفہ مہدی
۱۱	بابک ابن عبداللہ خرمی	قتل ہوا	۲۲۳ھ	خلیفہ معتصم باللہ
۱۲	علی بن محمد عبدالرحیم	قتل ہوا	۲۷۰	خلیفہ المعتمد علی اللہ
۱۳	ابوسعد حسن بن سیرام	قتل ہوا	۳۰۱ھ	خلیفہ المعتضد باللہ
۱۴	محمد بن علی شمغانی	قتل ہوا	۳۲۲ھ	خلیفہ راضی باللہ

یہ تھے مشہور منکرین ختم نبوت اور مدعیان نبوت اور جب بھی کسی اسلامی دور میں انھوں نے سر اٹھایا، ہمارے خلفاء اور امراء نے ان کو تہہ تیغ کرکے رکھ دیا، یا انھوں نے مجبوراً خودکشی کی، یا توبہ کرنے پر آمادہ ہوگئے؛ اسی لیے اہل کتاب حضور اقدس ﷺ کی وفات ہی سے خلافت کے عدم قیام یا قیام کے بعد سقوط کی بھرپور کوشش کرتے رہے؛ مگر تیرہ سو سال بعد انھیں اس میں کچھ حد تک مسلمانوں کی اعتقادی کمزوری کی وجہ سے اور کتاب وسنت سے بعد کی بنا پر کامیابی ملی، مگر انشاء اللہ ایک بار پھر خلافت قائم ہوگی۔ وَمَا تَشَاؤنَ إلاَّ أنْ یَشاءَ اللّٰہُ☆ واللّٰہُ مُتِمُّ نُورِہٖ ولو کَرِہَ الکَافِرُون!

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سقوط خلافت سے قبل اس کے ضعف کے زمانہ ہی سے ایک بار پھر انکار ختم نبوت کے فتنے نے سر اٹھایا اور انیسویں صدی کے اوائل میں، باب اللہ نے، پھر بہاؤ اللہ نے اور اسی صدی کے اواخر میں مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا؛ بل کہ پچھلے دوسو سال میں جتنے مدعیان نبوت ومہدویت کھڑے ہوئے وہ بارہ سو سال کے مقابلہ میں اضعافاً مضاعفہ ہے؛ گویا دشمن کی یہ ایک منظّم سازش ہے کہ وہ ختمِ نبوت کا قلع قمع کرنا چاہتے ہیں؛ مگر انشاء اللہ وہ قیامت تک اس میں کامیاب نہیں ہوں گے۔

منکرین ختم نبوت کے ساتھ جہاد بالسیف کے بعد جہاد بالقلم

جیسا کہ اوپر تاریخ کے حوالے سے واضح کیا گیا کہ جب بھی اسلامی دور حکومت میں، کسی نے ختم نبوت پر حملہ کیا اس کو واصل جہنم کر دیا گیا؛ مگر جب استعماری طاقتیں عالم اسلام پر غالب آ گئیں اور اس طرح کے فتنوں نے اسر ٹھایا، تو علماء قلم وکاغذ لے کر میدان کارزار میں کود پڑے اور الحمدللہ انھوں نے ختم نبوت کا بھرپور دفاع کیا، انگریز کے زمانہ میں عدالتوں میں اور کتابوں کے ذریعہ صرف غلام احمد قادیانی ملعون کے رد میں ایک اندازے کے مطابق ۲۰ ہزار صفحات اردو میں تحریر کیے گئے، احتساب قادیانیت کے نام سے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے ۲۳ جلد پر مشتمل چالیس کے قریب علماء کے بارہ ہزار صفحات کی طباعت کی ہے، جس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ مسئلہ کتنا اہم ہے، تو آیئے اب میں مختصر اس پر روشنی ڈالتا ہوں۔

گلی کا کتا بھی ہم سے بہتر ہے اگر ہم تحفظ ختم نبوت نہ کر سکیں

تحفظ ختم نبوت کتنا اہم ترین مسئلہ ہے، اس کا اندازہ آپ خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کے اس واقعہ سے کر سکتے ہیں:

۲۶ اگست ۱۹۳۲ء کو یوم جمعۃ المبارک تھا، جامع مسجد الصادق بھاول پور میں آپ کو جمعہ کی نماز ادا فرمانا تھی، مسجد کے اندر تل دھرنے کی جگہ نہ تھی، قرب وجوار کے گلی کوچے نمازیوں سے بھرے ہوئے تھے، نماز کے بعد آپ نے اپنی تقریر کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:

میں بواسیر خونی کے مرض کے غلبہ سے نیم جاں تھا اور ساتھ ہی اپنی ملازمت کے سلسلہ میں ڈابھیل کے لیے پابہ رکاب کہ اچانک شیخ الجامعہ صاحب کا مکتوب مجھے ملا، جس میں بھاول پور آ کر مقدمہ میں شہادت دینے کے لیے لکھا گیا تھا، میں نے سوچا کہ میرے پاس کوئی زادِ راہ نہیں ہے، شاید یہی چیز ذریعہ نجات بن جائے کہ حضرت محمد ﷺ کے دین کا جانبدار بن کر یہاں آیا ہوں۔

یہ سن کر مجمع بے قرار ہوگیا، آپ کے ایک شاگرد مولانا عبدالحنان ہزاروی آہ وبکا کرتے ہوئے کھڑے ہوگئے اور مجمع سے بولے کہ اگر حضرت کو بھی اپنی نجات کا یقین نہیں تو پھر اس دنیا میں کس کی مغفرت متوقع ہوگی؟ اس کے علاوہ کچھ اور بلند کلمات حضرت کی تعریف وتوصیف میں عرض کیے، جب وہ بیٹھ گئے تو پھر مجمع کو خطاب کر کے فرمایا کہ:

''ان صاحب نے ہماری تعریف میں مبالغہ کیا؛ حالاں کہ ہم پر یہ بات کھل گئی کہ گلی کا کتا بھی ہم سے بہتر ہے اگر ہم تحفظ ختم نبوت نہ کرسکیں''۔ (کمالات انوری)

اب آپ اندازہ لگائیے کہ ایک ایسا جلیل القدر محدث وفقیہ ایسا کہہ رہے ہیں، جس کے بارے میں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری قدس سرہٗ فرماتے تھے ''انور شاہ کشمیری صحابہؓ کی جماعت کے بچھڑے ہوئے فرد ہیں'' ان کے اخلاق، ان کا علم، ان کا تقویٰ، ان کی دینی غیرت وحمیت کو دیکھ کر یہ جملہ آپؒ نے کہا۔

ختم نبوت اور قرآن

قرآن کریم نے مسئلہ ختم نبوت کو تقریباً سو مقامات پر ذکر کیا ہے، کہیں صراحتاً، کہیں کنایتہً، کہیں عبارت النص سے، کہیں اقتضاء النص سے، کہیں اشارۃ النص سے تو کہیں دلالت النص سے، جس کو پوری تفصیل کے ساتھ حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ اپنی تصنیف ''ختم النبوة في القرآن'' میں ذکر کیا ہے اور دوسری تصنیف لطیف ''ختم النبوة في الأحاديث'' میں ۲۱۰/احادیث جمع فرمائی اور ''ختم النبوة في الآثار'' میں امت کا اجماع، سیکڑوں علمائے امت کے اقوال ختم نبوت کی تائید میں جمع فرمادیے۔ اللہ حضرت کو امت کی جانب سے بہترین بدلہ عطا فرمائے، آمین یارب العالمین!

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان نور اللہ مرقدہٗ ''ختم نبوت'' کامل ہر سہ حصہ کی تمہید میں تحریر فرماتے ہیں:

مسئلہ ختم نبوت

یعنی آں حضرت ﷺ پر ہر قسم کی نبوت اور وحی کا اختتام اور آپ ﷺ کا آخری نبی ورسول ہونا اسلام کے ان بدیہی مسائل اور عقائد میں سے ہے، جن کو تمام عام وخاص، عالم وجاہل، شہری اور دیہاتی مسلمان ہی نہیں؛ بلکہ بہت سے غیر مسلم بھی جانتے ہیں، تقریباً چودہ سو برس سے کروڑہا مسلمان اس عقیدہ پر ہیں، لاکھوں علماء امت نے اس مسئلہ کو قرآن وحدیث کی تفسیر وتشریح کرتے ہوئے واضح فرمایا، کبھی یہ بحث پیدا نہیں ہوئی کہ نبوت کی کچھ اقسام ہیں، اور ان میں سے کوئی خاص قسم آں حضرت ﷺ کے بعد باقی ہے، یا نبوت کی تشریعی غیر تشریعی یا ظلی وبروزی یا مجازی وغیرہ اقسام ہیں، قرآن وحدیث میں اس کا کوئی اشارہ تک نہیں، پوری امت اور علماء امت نے

نبوت کی یہ قسم نہ دیکھی اور نہ سنی؛ بل کہ صحابہ و تابعین سے لے کر آج تک پوری امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اس عقیدہ پر قائم رہی کہ آں حضرت ﷺ پر ہر طرح کی نبوت و رسالت ختم ہے، آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی یا رسول پیدا نہیں ہوگا۔ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو آپ سے پہلے پیدا ہو کر منصب نبوت پر فائز ہو چکے ہیں، ان کا اخیر زمانہ میں آنا اس کے قطعاً منافی نہیں)۔

اس مسئلہ کے اتنا بدیہی اور اجماعی ہونے کے ساتھ اس پر دلائل جمع کرنا اور اس کا ثبوت پیش کرنا در حقیقت ایک بدیہی کو نظری اور کھلی ہوئی حقیقت کو پیچیدہ بنانے کے مرادف معلوم ہوتا ہے؛ بلکہ اس مسئلہ کا ثبوت پیش کرنا ایسا ہی ہے جیسا کوئی شخص مسلمانوں کے سامنے لا الہ الّا اللّٰہ کا ثبوت پیش کرے، ان حالات میں کوئی ضرورت نہ تھی کہ اس موضوع پر کوئی مستقل رسالہ یا کتاب لکھی جائے؛ لیکن تعلیمات اسلام سے عام غفلت و جہالت اور روز پیدا ہونے والے نئے نئے فتنوں نے جہاں بہت سے حقائق پر پردہ ڈال دیا ہے باطل کو حق اور حق کو باطل کر کے ظاہر کیا ہے وہیں یہ مسئلہ بھی تختۂ مشق بن گیا۔

اس مسئلہ میں فرقہ وار جماعت کی حیثیت سے سب سے پہلے باب و بہا کی جماعت فرقۂ بابیہ نے اختلاف کیا، مگر وہ علمی رنگ میں اس بحث کو آگے نہ پہنچا سکے، اس کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی نے اس میں خلاف و اختلاف کا دروازہ کھولا اور ان کی چھوٹی بڑی بہت سی کتابوں میں یہ بحث ایسی منتشر اور متضاد ہے کہ خود ان کے ماننے والے بھی، اس پر متفق نہ ہو سکے کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ اور ان کا دعویٰ کیا ہے؟ کہیں بالکل عام مسلمانوں کے اجماعی عقیدہ کے مطابق آنحضرت ﷺ کے خاتم النّبیین ہونے اور وحی نبوت کے انقطاع کلی کا اقرار اور آپ ﷺ کے بعد مطلقاً کسی نبی یا رسول کے پیدا نہ ہونے کا اعتراف ہے، کہیں اپنے آپ کو مجازی اور لغوی نبی کہا گیا ہے، کہیں نبوت کی ایک نئی قسم ظلی و بروزی بتلا کر بروزی نبی ہونے کا دعویٰ کیا گیا، کہیں نبوت کو تشریعی اور غیر تشریعی میں تقسیم کر کے تشریعی کا اختتام اور غیر تشریعی کا جاری ہونا بیان کیا گیا، اور اپنے آپ کو غیر تشریعی نبی بتلایا اور وحی غیر تشریعی کا دعویٰ کیا گیا ہے، کہیں کھلے طور پر صاحب شریعت نبی ہونے اور وحی تشریعی کا دعویٰ کیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ ان کے متبعین تین فرقوں میں تقسیم ہو گئے: ایک فرقہ ان کو صاحب شریعت اور تشریعی نبی و رسول مانتا ہے، یہ ظہیر الدین اروپی کا فرقہ ہے، دوسرا فرقہ ان کو باصطلاح خود غیر تشریعی نبی کہتا ہے، یہ قادیانی پارٹی ہے، جو مرزا محمود صاحب کی پیرو ہے، تیسرا فرقہ ان کو نبی یا

رسول نہیں ؛ بلکہ مسیح موعود اور مہدی موعود قرار دیتا ہے، یہ مسٹر محمد علی لاہوری کے متبعین ہیں۔

غرض مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے متبعین نے اس قطعی اور اجماعی مسئلہ میں خلاف وشقاق کا دروازہ کھولا، عوام کی جہالت اور مغربی تعلیم سے متأثر، دینی تعلیم سے بیگانہ افراد کی ناواقفیت سے ناجائز فائدے اٹھائے اور اس مسئلہ میں طرح طرح کے اوہام وشکوک ان کے دلوں میں پیدا کردیے، اور ان کی نظر میں بدیہی مسئلہ کو نظری بنادیا؛ اس لیے اہل علم اور اہل دین کو اس طرف متوجہ ہونا پڑا کہ ان کے شبہات دور کیے جائیں اور قرآن وحدیث کی صحیح روشنی ان کے سامنے لائی جائے۔ (ختم نبوت، ص:۱۰-۱۲)

حضرت کاندھلویؒ فرماتے ہیں:

ختم نبوت اور اس کا مفہوم اور حقیقت

ختم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ نبوت اور پیغمبری حضور کی ذات بابرکت پر ختم ہوگئی اور آپ ﷺ انبیاء کے خاتم (بالکسر) ہیں یعنی سلسلہ انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں اور آپ ﷺ سلسلہ انبیاء کے خاتم (بالفتح) یعنی مہر ہیں۔ اب آپ ﷺ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہ ہوگا، مہر کسی چیز کا منہ بند کرنے کے لیے لگاتے ہیں، اسی طرح حضور پرنور ﷺ سلسلہ انبیاء پر مہر ہیں، اب آپ ﷺ کے بعد کوئی اس سلسلہ میں داخل نہیں ہوسکے گا، اور قیامت تک کوئی شخص اب اس عہدہ پر فائز نہ ہوگا۔ مہر ہمیشہ ختم کرنے اور بند کرنے کے لیے ہوتی ہے کما قال تعالیٰ يُسْقَونَ مِن رَحيقٍ مختومٍ ختامُه مِسْك یعنی سربمہر بوتلیں ہوں گی اور شراب ان کے اندر بند ہوگی۔ ختم الله على قلوبهم اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے، یعنی کفر اندر بند کردیا ہے۔ (احتساب قادیانیت، ج:۲، ص:۵۱۴)

قرآن اور عقیدۂ ختم نبوت

مفتی صاحب نوراللہ مرقدہ نے اس کے بعد مَا كانَ محمدٌ أبا أحدٍ من رِجالِكُم ولكِنْ رسول الله خاتم النّبيين وكان اللّٰهُ بكل شيءٍ عليما پر صفحہ ۵۰ سے صفحہ ۱۳۳ تک یعنی تقریباً ۸۴ صفحات پر پورے شرح وبسط کے ساتھ کلام کیا ہے، جو قابل مطالعہ ہے، لغت، احادیث اور آثار کی روشنی میں بڑی جامع تفسیر کی ہے۔ اس کے بعد مختصراً اس کے علاوہ دیگر تقریباً ۹۹/آیات کی مختصر تشریح کی ہے، وہ آیات یہ ہیں:

(۱) سورہ احزاب، پارہ ۲۲، ع ۲، آیت ۴۰ (۲) سورۂ مائدہ، پارہ ۶، ع ۵، آیت ۳ (۳) سورۂ

آل عمران، پارہ ۳، ع ۱۷، آیت ۸۱ (۴) سورۂ اعراف، پارہ ۳، ع ۱۰، آیت ۱۵۸ (۵) سورۂ فرقان، پارہ ۱۸، ع ۱۶، آیت ۱ (۶) سورۂ نساء، پارہ ۵، ع ۸، آیت ۷۹ (۷) سورۂ قلم، پارہ ۲۹، ع ۴، آیت ۵۲ (۸) سورۂ انعام، پارہ ۷، ع ۸، آیت ۱۹ (۹) سورۂ ہود، پارہ ۱۲، ع ۲، آیت ۱۷ (۱۰) سورۂ نساء، پارہ ۶، ع ۳، آیت ۱۷۰ (۱۱) سورۂ انبیاء، پارہ ۱۷، ع ۷، آیت ۱۰۷ (۱۲) سورۂ نساء، پارہ ۵، ع ۱۴، آیت ۱۱۵ (۱۳) سورۂ واقعہ، پارہ ۲۷، ع ۱۴، آیت ۱۳، ۱۴ (۱۴) سورۂ واقعہ، پارہ ۲۷، ع ۱۵، آیت ۳۹، ۴۰ (۱۵) سورۂ مرسلات، پارہ ۲۹، ع ۲۱، آیت ۱۶ أ ۱۷ (۱۶) سورۂ مائدہ، پارہ ۷، ع ۴، آیت ۱۰۱ (۱۷) سورۂ توبہ، پارہ ۱۰، ع ۱۱، آیت ۳۳ (۱۸) سورۂ فتح، پارہ ۲۶، ع ۱۲، آیت ۲۸ (۱۹) سورۂ صف، پارہ ۲۸، ع ۹، آیت ۹ (۲۰) سورۂ نساء، پارہ ۵، ع ۵، آیت ۵۹ (۲۱) سورۂ فتح، پارہ ۲۶، ع ۱۰، آیت ۱۷ (۲۲) سورۂ نساء، پارہ ۵، ع ۸، آیت ۸۰ (۲۳) سورۂ نساء، پارہ ۵، ع ۶، آیت ۶۹ (۲۴) سورۂ حدید، پارہ ۲۷، ع ۲۰، آیت ۲۹ (۲۵) سورۂ نساء، پارہ ۵، ع ۱۷، آیت ۱۳۶ (۲۶) سورۂ بقرہ، پارہ ۳، ع ۸، آیت ۲۸۵ (۲۷) سورۂ بقرہ، پارہ ۱، ع ۵، آیت ۴۱ (۲۸) سورۂ عمران، پارہ ۳، ع ۱۷، آیت ۸۴ (۲۹) سورۂ نساء، پارہ ۵، ع ۶، آیت ۶۰ (۳۰) سورۂ محمد، پارہ ۲۶، ع ۵، آیت ۲ (۳۱) سورۂ نساء، پارہ ۶، ع ۳، آیت ۱۷۰ (۳۲) سورۂ نساء، پارہ ۶، ع ۴، آیت ۱۷۶ (۳۳) سورۂ مائدہ، پارہ ۶، ع ۷، آیت ۱۵ أ ۱۶ (۳۴) سورۂ اعراف، پارہ ۹، ع ۸، آیت ۱۵۷ (۳۵) سورۂ اعراف، پارہ ۹، ع ۹، آیت ۱۵۴ (۳۶) سورۂ اعراف، پارہ ۹، ع ۱۰، آیت ۱۵۸ (۳۷) سورۂ انفال، پارہ ۹، ع ۱۷، آیت ۲۰ (۳۸) سورۂ انفال، پارہ ۹، ع ۱۷، آیت ۲۴ (۳۹) سورۂ انفال، پارہ ۱۰، ع ۲، آیت ۴۶ (۴۰) سورۂ انفال، پارہ ۱۰، ع ۴، آیت ۶۴ (۴۱) سورۂ توبہ، پارہ ۱۰، ع ۱۵، آیت ۷۱ (۴۲) سورۂ تغابن، پارہ ۲۸، ع ۱۵، آیت ۸ (۴۳) سورۂ صف، پارہ ۲۸، ع ۱۰، آیت ۱۰ أ ۱۱ (۴۴) سورۂ حدید، پارہ ۲۷، ع ۱۷، آیت ۷ (۴۵) سورۂ جمعہ، پارہ ۲۸، ع ۱۱، آیت ۲، ۳ (۴۶) سورۂ یوسف، پارہ ۱۳، ع ۶، آیت ۱۰۸ (۴۷) سورۂ نساء، پارہ ۶، ع ۲، آیت ۱۶۲ (۴۸) سورۂ نور، پارہ ۱۸، ع ۱۳، آیت ۵۱ (۴۹) سورۂ نور، پارہ ۱۸، ع ۱۳، آیت ۵۲ (۵۰) سورۂ نور، پارہ ۱۸، ع ۱۳، آیت ۵۴ (۵۱) سورۂ نور، پارہ ۱۸، ع ۱۳، آیت ۵۴ (۵۲) سورۂ نور، پارہ ۱۸، ع ۱۳، آیت ۵۶ (۵۳) سورۂ نور، پارہ ۱۸، ع ۱۵، آیت ۶۲ (۵۴) سورۂ یٰس، پارہ ۲۲، ع ۱۸، آیت ۱۱ (۵۵) سورۂ نور، پارہ ۱۸، ع ۱۵، آیت ۶۲ (۵۶) سورۂ احزاب، پارہ ۲۲، ع ۶، آیت ۷۱ (۵۷) سورۂ احزاب، پارہ ۲۲، ع ۱۷، آیت ۷ (۵۸) سورۂ اعراف، پارہ ۱۸، ع ۸،

آیت۳ (۵۹) سورۂ یونس، پارہ۱۱، ع۷، آیت۱۳، ۱۴ (۶۰) سورۂ انعام، پارہ ۸، ع۷، آیت ۱۶۵ (۶۱) سورۂ فاطر، پارہ۲۲، ع۱۷، آیت۳۹ (۶۲) سورۂ قمر، پارہ ۲۷، ع ۸، آیت ا (۶۳) سورۂ انبیاء، پارہ ۱۷، ع۱، آیت ا (۶۴) سورۂ نحل، پارہ۱۴، ع۷، آیت ا (۶۵) سورۂ ابتداء شوریٰ، پارہ ۲۵، ع۲، آیت۳ (۶۶) سورۂ انعام، پارہ۷، ع۱۱، آیت۴۲ (۶۷) سورۂ آل عمران، پارہ۴، ع۱۰، آیت۱۸۳ (۶۸) سورۂ آل عمران، پارہ ۴، ع۱۰، آیت۱۸۴ (۶۹) سورۂ انعام، پارہ ۷، ع۷، آیت۱۰ (۷۰) سورۂ انعام، پارہ ۷، ع ۱۰، آیت۳۴ (۷۱) سورۂ یوسف، پارہ۱۲، ع۶، آیت ۱۰۹ (۷۲) سورۂ رعد، پارہ۱۳، ع۱۱، آیت۳۲ (۷۳) سورۂ رعد، پارہ ۱۳، ع۱۲، آیت ۳۸ (۷۴) سورۂ نحل، پارہ۱۴، ع ۱۲، آیت۴۳ (۷۵) سورۂ نحل، پارہ۱۴، ع۱۴، آیت ۶۳ (۷۶) سورۂ فاطر، پارہ ۲۲، ع۱۶، آیت۳۱ (۷۷) سورۂ بنی اسرائیل، پارہ ۱۵، ع ۸، آیت ۷۷ (۷۸) سورۂ انبیاء، پارہ ۱۸، ع۲، آیت ۲۹ (۷۹) سورۂ حج، پارہ۱۷، ع ۱۴، آیت۵۲ (۸۰) سورۂ فرقان، پارہ۱۸، ع۱۷، آیت۲۰ (۸۱) سورۂ فاطر، پارہ ۲۲، ع۱۳، آیت۴ (۸۲) سورۂ زمر، پارہ ۲۴، ع۴، آیت ۶۵ (۸۳) سورۂ حم السجدہ، پارہ ۲۴، ع۱۹، آیت۴۳ (۸۴) سورۂ شوریٰ، پارہ ۲۵، ع۲، آیت ۳ (۸۵) سورۂ زخرف، پارہ ۲۵، ع ۸، آیت ۲۳ (۸۶) سورۂ زخرف، پارہ ۲۵، ع۱۰، آیت ۴۵ (۸۷) سورۂ زخرف، پارہ ۲۵، ع۷، آیت ۶ (۸۸) سورۂ فاطر، پارہ۲۲، ع۱۶، آیت۳۲ (۸۹) سورۂ احزاب، پارہ۲۲، ع۵، آیت ۶۶ (۹۰) سورۂ فرقان، پارہ۱۹، ع۱، آیت ۲۷ (۹۱) سورۂ سبا، پارہ ۲۲، ع۹، آیت ۲۸ (۹۲) سورۂ سبا، پارہ ۲۲، ع۱۲، آیت ۴۶ (۹۳) سورۂ ابراہیم، پارہ ۱۳، ع۱۶، آیت ۲۷ (۹۴) سورۂ آل عمران، پارہ ۳، ع۱۲، آیت۳۱ (۹۵) سورۂ محمد، پارہ ۲۶، ع۶، آیت ۱۸ (۹۶) سورۂ ص، پارہ ۲۳، ع۱۴، آیت ۸۷، ۸۸ (۹۷) سورۂ بقرہ، پارہ ۱، ع۱۱، آیت ۹۷ (۹۸) سورۂ بقرہ، پارہ ۱، ع۱۲، آیت ۱۰۱ (۹۹) سورۂ بقرہ، پارہ ۱، ع ۱۱، آیت ۹۱۔

جیسا کہ اس سے پہلے بھی بیان کیا کہ تقریباً دوسودس احادیث سے ختم نبوت کا مسئلہ ثابت ہے جس میں سے اہم روایت بخاری کی ہے۔

عن أبی هريرة ان رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قا ل إنّ مثلی و مثلَ الأنبياءِ مِنْ قَبْلِي كَمثلِ رَجُلٍ بنٰی بيتا فأحسنَهٗ و أجملَهٗ إلّا موضعَ لبنةٍ من زاويةٍ فجعل الناسُ يطوفون به و يعجبون له و يقولون هلا وشعتُ هذه اللبنةُ و أنا خاتم النبيين. (رواه البخاری فی كتاب الأنبياء و مسلم: ج ۲ / ۲۴۸ فی الفضائل و أحمد فی مسنده، ج: ۲

ص۳۹۸، والنسائی والترمذی) و فی بعض ألفاظه فکنتُ أنا سددت موضع اللبنة و ختم بی البنیان و ختم بی الرسل هکذا فی الکنز عن أبی عساکر.

''حضرت ابوہریرہؓ آں حضرت ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری مثال مجھ سے پہلے انبیاء کے ساتھ ایسی ہے جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اس کو بہت عمدہ اور آراستہ وپیراستہ بنایا؛ مگر اس کے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ تعمیر سے چھوڑ دی، پس لوگ اُس کے دیکھنے کو جوق در جوق آتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ یہ ایک اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی (تاکہ مکان کی تعمیر مکمل ہوجاتی) چناں چہ میں نے اس جگہ کو پُر کیا اور مجھ سے ہی قصرِ نبوت مکمل ہوا، اور میں ہی خاتم النّبیین ہوں، یا مجھ پر تمام رُسل ختم کردیئے گئے''۔ (ختم نبوت: ص۲۰۵ تا۲۰۶)

اس کے بعد حضرت ابوسعید خدری، حضرت جابر، حضرت ابوہریرہ، حضرت جبیر ابن مطعم، حضرت سعید ابن ابی وقاص، حضرت جابر ابن سمرہ، حضرت ثوبان، حضرت عبداللہ عباس، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت انس ابن مالک، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت علی، حضرت ابوذر، حضرت مالک ابن حویرث، حضرت نافع، حضرت عوف ابن مالک، حضرت حسن، حضرت عرباض ابن ساریہ زید ابن حارثہ عبداللہ ابن ثابت، حضرت ام کرز کعبیہ، حضرت ابوامامہ باہلی، حضرت ابی ابن کعب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ختم نبوت پر ۲۶/ روایتیں تو صرف امام بخاری وامام مسلم رحمہما اللہ نے صحیحین میں روایت کی ہیں۔

حضرت عقبہ بن عامر، حضرت جابر ابن عبداللہ حضرت سفینہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت بہزابن حکیم، حضرت معاویہ بن فیدہ، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت علی مرتضی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اصحاب سنن اربعہ امام نسائی ابوداؤد وترمذی اور ابن ماجہ نے تقریباً دس حدیثیں نقل کی ہیں۔

اس کے علاوہ امام احمد ابن حنبل نے اپنی سند سے حضرت ابوطفیل، حضرت بریدہ، حضرت ابونضرہ، حضرت زید ابن ابی اوفی، حضرت ابوسعید خدری، حضرت حذیفہ بن اسید، حضرت نعمان ابن بشیر، حضرت عبداللہ ابن عمرو، حضرت عرباض ابن ساریہ سے تقریباً دس حدیثیں نقل کی ہیں، یہ ۵۶ حدیثیں مستند اور صحیح ہیں۔

ان مذکورہ کتابوں کے علاوہ دیگر بے شمار مستند کتابوں میں تقریباً ڈیڑھ سو احادیث ایسی ہیں جو

ختم نبوت پر دلیل بنتی ہیں، جن کو امام دارمی، امام ابن عساکر، امام بغوی، امام سیوطی، امام بیہقی، امام طبرانی، امام ابونعیم، امام ابویعلی، امام علی متقی، امام ابن ابی شیبہ، امام طحاوی، امام ابن کثیر، امام ابن ابی حاتم، امام ابن مردویہ، امام دیلمی، امام ابن سعد، امام ابن حجر عسقلانی، امام ابن النجار، خطیب بغدادی، امام بزار، امام ابن عدی، امام ابوداؤد الطیالسی، امام ابن جریر طبری، امام ماوردی، امام رافعی، امام حاکم نیشاپور، امام ابن الجوزی، امام عیاض نے حضرت علی، حضرت ضحاک ابن نوفل، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوامامہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت انس ابن مالک، حضرت عبداللہ ابن عمر، حضرت عبداللہ ابن الزبیر، حضرت نعمان بن بشیر، یونس ابن میسرہ، حضرت خالد بن ولید، حضرت جابر ابن عبداللہ، حضرت سلمان فارسی، حضرت عائشہ، حضرت ابوالدرداء، حضرت عبداللہ ابن حارث، حضرت ابوزمل جہنی، حضرت زبیر ابن العوام، حضرت اکوع سلمہ ابن اکوع، حضرت ابوالطفیل، حضرت عمرو ابن قیس، حضرت ابوقتادہ، عبدالرحمٰن ابن سمرہ، حضرت محمد ابن حزم، حضرت قتادہ، حضرت عصمہ ابن مالک، حضرت ابومالک اشعری، حضرت حذیفہ، حضرت ابوالفضل، حضرت عقیل ابن ابی طال، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابوقبیلہ، حضرت حسن بن علی، حضرت مالک، حضرت اسماء بنت عمیس، حضرت حبشی ابن جنادہ، حضرت عمرو، حضرت سہل ساعدی، عبیداللہ ابن عمر، حضرت ابوبکرہ، حضرت نعیم ابن مسعود، حضرت تمیم داری نے تقریباً سو حدیثیں ایسی نقل کی ہیں جو صراحتاً ختم نبوت پر دلالت کرتی ہیں۔

ان مذکورہ احادیث کے علاوہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ نے دوسرے ۶۷/ احادیث ایسی نقل کی ہیں جو کنایۃً واشارۃً ختم نبوت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کے بعد مفتی صاحب نے جو کلام کیا ہے وہ پڑھنے کے قابل ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں:

احادیث مذکورۃ الصدر سے ختم نبوت کا ثبوت

نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی محبت وشفقت جو امت مرحومہ کے ساتھ ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے، اور پھر یہ بھی مسلم ہے کہ زمانہ ماضی ومستقبل کے جتنے علوم وحالات آپ ﷺ کو عطا کیے گئے وہ نہ کسی نبی کو حاصل ہیں اور نہ کسی فرشتہ کو۔

ان دونوں باتوں کو سمجھنے کے بعد یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کے لیے

دین کے راستہ کو ایسا ہموار اور صاف بنا کر چھوڑا کہ جس میں دین ورات برابر ہوں، اس پر چلنے والے کو ٹھوکر لگنے یا راستہ بھولنے کا اندیشہ نہ رہے، اس میں جتنے خطرات کے مواقع ہوں گے، وہ سب آپ ﷺ نے ان کو بتلا دیے، نیز اس راستہ کے ایسے ایسے نشانات ان کو بتلا دیے جو تمام راستہ میں ان رہبری کرتے رہیں۔

چناں چہ جب ہم حدیث نبوی ﷺ کے دفتر پر نظر ڈالتے ہیں تو ثابت ہوجاتا ہے، کہ آپ ﷺ نے ان امور میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، آپ ﷺ کے بعد جتنے قابل اقتداء رہنما پیدا ہونے والے تھے، آپؐ نے اکثر کے نام لے لے کر بتلا دیے، اور امت کو ان کی پیروی کی ہدایت فرمائی، جن میں سے ''مشتے نمونہ از خروارے'' چند احادیث اوپر ذکر کی گئیں، آنحضرت ﷺ کی انتہائی شفقت ومربیانہ تعلیم اور پھر احادیث مذکورہ بالا کو دیکھتے ہوئے ایک مسلمان؛ بلکہ ایک منصف مزاج انسان یہ یقین کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی کسی قسم کا نبی (اگرچہ وہ بقول مرزا ظلی یا بروزی رنگ میں سہی) اس عالم میں پیدا نہیں ہوسکتا ورنہ لازم تھا کہ آپ ﷺ ان سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اس نبی کا ذکر فرماتے؛ کیوں کہ ان سب کا اتباع پر امت کی نجات کا مدار ہے۔

مگر عجب تماشہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی امت کو خلفائے راشدین کے اقتداء کا حکم فرماتے ہیں، ائمہ دین اور امراء کی اطاعت کی تعلیم دیتے ہیں؛ بلکہ ایک حبشی غلام کی بھی (جب کہ وہ امیر بن جائے) اطاعت امت پر واجب قرار دیتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور عمار بن یاسرؓ کی اقتداء کی دعوت دیتے ہیں، حضرت زبیرؓ، ابوعبیدۃ بن الجراح، معاذ بن جبلؓ عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ صحابہ کرامؓ کے نام لے لے کر انہیں واجب التکریم اور قابل اقتداء فرماتے ہیں، اویس قرنیؒ کے آنے کی خبر اور ان سے استغفار کرانے کی تعلیم دیتے ہیں، مجددین امت کا ہر صدی پر آنا، ابدال کا ملک شام میں پیدا ہونا، اور اُن کا مستجاب الدعوات ہونا وغیرہ وغیرہ مفصل بیان فرماتے ہیں۔

لیکن ایک حدیث میں بھی یہ بیان نہیں فرماتے کہ ہمارے بعد فلاں نبی پیدا ہوگا، تم اس پر ایمان لانا اور اس کی اطاعت کرنا۔

اگر پہلو میں دل اور دل میں ایمان یا انصاف کا کوئی ذرہ بھی ہے تو تمام احادیثِ سابقہ کو چھوڑ کر صرف یہی احادیث ایک انسان کو اس پر مجبور کرنے کے لیے کافی ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد تا قیامت کسی قسم کا کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔

یہ دوسو دس احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن میں آں حضرت ﷺ نے ختمِ نبوت کا قطعی اعلان فرما کر ہر قسم کی تاویل اور تخصیص کا راستہ بند کر دیا ہے۔

جس کی آنکھیں ہوں دیکھے اور جس کے کان ہوں سُنے۔ إن في ذلك لَعِبرةً لِمَنْ كان له قلبٌ أو القىٰ السمعَ وهو شهيد۔ (ختم نبوت: ص۲۹۵ تا۲۹۶)

اسی لیے علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:

''ختم نبوت کا مسئلہ شریعت محمدی میں متواتر ہے، قرآن وحدیث سے اجماع بالفعل سے اور یہ پہلا اجماع ہر وقت اور ہر زمانہ میں حکومت اسلامی نے اس شخص کو جس نے دعویٰ نبوت کیا، سزائے موت دی ہے، ایک شاعر کو صلاح الدین ایوبیؒ نے بہ فتویٰ علماء دین، ایک شعر کہنے پر قتل کرادیا تھا۔

كان مبدأ هذا الدينِ من رَجُلٍ سَعٰى فأصبحَ يُدْعىٰ سيدُ الأُمم

(صبح الأعشی: ۳۰۵، ۱۳۹)

اس شعر سے اس شخص نے نبوت کو کسبی قرار دیا کہ نبوت ریاضتوں سے حاصل ہوسکتی ہے، اس لیے اسے قتل کروادیا۔ (احتساب قادیانیت: ج۴/ص۴۲)

اس سے آپ اندازہ لگایئے کہ مسئلہ ختم نبوت کتنا حساس مسئلہ ہے۔

علامہ کشمیری قدس اللہ سرہٗ ''ما کان محمد'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ اشخاص نبوت کے بھی خاتم ہیں، اور آپ ﷺ کے تشریف لانے کے بعد نبوت کا عہدہ منقطع ہوگیا ہے۔ (ایضا) (بقیہ آئندہ)

❁ ❁ ❁

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی رحمۃ اللہ علیہ کامیاب مربی، مشہور فقیہ، اور عظیم مصنف

از: مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی ندوی
مدیر البعث الاسلامی، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

گذشتہ بیسویں صدی کے چوتھے دہے کی بالکل ابتدا میں، میں مدرسہ مفتاح العلوم جامع مسجد شاہی مئو میں ابتدائی مکتب میں داخل ہوا تھا، اس وقت میرے اساتذہ میں پرائمری درجات کے ذمہ دار جناب منشی گدا حسین صاحب فاروقی اور ناظرۂ قرآن کریم کے استاذ قاری عبدالمنان صاحب تھے، بہت جلد چند سالوں میں یہ مرحلہ پورا ہوگیا، پھر عربی درجات میں تعلیم حاصل کرنے کی سعادت اس خاکسار کو حاصل ہوئی اور درجہ اوّل سے لے کر غالباً سال ششم جلالین ومشکوٰۃ اور ہدایہ کے درجہ تک کی ساری کتابیں ۱۹۴۸ء مطابق ۱۳۶۸ھ تک اپنے سبھی جلیل القدر اساتذہ سے پڑھ لیا تھا، ان میں عربی ادب کی کتابیں محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نوراللہ مرقدہ اور درسیات کی جملہ کتابیں اپنے والد مکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ایوب اعظمی رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی رحمہ اللہ، حضرت مولانا شمس الدین صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی عبدالباری صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمہ اللہ اور بعض دیگر اساتذہ سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ فجزاھم اللّٰہ خیرا کثیراً.

مفتی صاحب میرے استاذ میرے مربی

غالباً سال دوم میں علامہ جرجانی کی کتاب ''شرح مأۃ عامل'' کے اسباق حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی رحمہ اللہ سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، یہ غالباً ۱۹۴۴ء کا زمانہ تھا، بالکل اسی زمانہ میں مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاح العلوم سے سند فراغ لے چکے تھے اور محدث جلیل حضرت مولانا اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا معاون مدرس کی حیثیت سے مفتاح العلوم

میں تقرر فرمالیا تھا، الحمدللہ ان کے طریقۂ تدریس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقع ملا اور ترکیب نحوی کی مشق کرنے اور اعراب کی صحت کا ادراک حاصل ہوا، مولانا مفتاحی نے بہت خوبی اور وضاحت کے ساتھ یہ کتاب ہم کو پڑھائی۔ فجزاہ اللّٰہ خیرًا کثیراً.

متعدد مدارس میں تعلیمی وتدریسی سرگرمیاں

مولانا مفتاحیؒ نے اپنا بیشتر تعلیمی سفر مفتاح العلوم میں پورا کیا، محدث جلیل حضرت مولانا اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے جوہر کو اچھی طرح پہچان لیا تھا؛ اس لیے ان کی تعلیم وتربیت کی طرف خاص طور سے متوجہ رہے اور حضرت مولانا سے مفتی صاحب کا علمی اور تربیتی تعلق بہت مضبوط ہوا، اور اس شجر سایہ دار؛ بلکہ شجر طوبیٰ کے سایہ میں اپنی علمی شخصیت کو پروان چڑھانے میں ہمہ تن مشغول ہوگئے، اور اہل علم کی صفوں میں ان کا شمار ہونے لگا، اسی کے ساتھ انھوں نے اپنے استاذ ومربی علامہ اعظمی سے اجازت لے کر دو تین سال تک مدرسہ معدن العلوم نگرام ضلع لکھنؤ میں تدریسی خدمت انجام دیں، ۱۹۴۸ء میں دارالعلوم معینیہ سانحہ ضلع مونگیر میں مدرس ہوئے اور عرصۂ دراز تک درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا، ایک سال ڈابھیل ضلع سورت کی جامعہ اسلامیہ میں تعلیمی خدمت انجام دی، لیکن وہاں کی آب وہوا راس نہ آنے کی وجہ سے پھر دارالعلوم سانحہ واپس تشریف لے گئے۔

مفتاح العلوم سے فراغت کے بعد علامہ سید سلیمان ندویؒ کے مشورہ سے انھوں نے ۱۹۴۴ء ہی میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا، اور تقریباً چھ ماہ بحیثیت طالب علم، یہاں قیام کرسکے، اس دوران وہ شیخ الحدیث حضرت مولانا شاہ حلیم عطا صاحبؒ، مولانا محمد ناظم صاحب ندویؒ، مولانا محمد اسحاق ندویؒ اور مولانا حمیدالدینؒ جیسے اساتذہ سے استفادہ کیا اور حضرت مولانا اویس ندوی نگرامیؒ کے مشورہ سے ان کے قصبہ نگرام کے مدرسہ معدن العلوم میں مدرس ہوگئے، اور ایک اچھا تعلیمی اور تربیتی وقت گذارنے کا وہاں موقع ملا۔

دارالعلوم دیوبند میں علمی مشغولیت

۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۶ء میں دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ تصنیف وتالیف سے منسلک ہوکر کئی کتابیں تصنیف کیں، ان میں اسلام کا نظام مساجد، نظام عفت وعصمت خاص طور سے قابل ذکر ہے، ۷ سال تک اس شعبہ سے متعلق رہنے کے بعد ۱۹۶۳ء میں دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ

کے مرتب مقرر ہوئے اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی ترتیب نو کا بیڑہ اٹھایا، ۱۲ رجلدوں میں حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندی کے فتاویٰ کی تدوین کی اور یہ فتاویٰ شائع ہوئے، مفتی صاحب نے دارالعلوم دیوبند کے مختلف علمی اور تدریبی شعبوں کی سرپرستی کی اور اس کے ذریعہ سے بہت سے ذہین اور ہونہار طلباء کے اندر علمی اور تفسیری مطالعہ کا شوق پیدا کیا، اور انھوں نے ان کی بہترین رہنمائی میں اپنا تعلیمی سفر جاری رکھا، دارالعلوم کے بہت سے شعبوں کو اپنی صلاحیتوں سے مالا مال کیا، دارالافتاء میں مفتی کا منصب آپ کو عطا کیا گیا، رسالۂ ''دارالعلوم'' میں اداریہ لکھنے کے فرائض بھی آپ نے انجام دیے، اور ۱۴۲۹ھ میں دارالعلوم کے ساتھ سبکدوشی کی درخواست کی، اور اپنے وطن عزیز میں قیام فرمایا۔

مفتی صاحب مرحوم نے ہر اعتبار سے ایک کامیاب استاذ، انشاء پرداز اور افتاء میں مہارت کے ساتھ ساتھ جملہ دینی اور اخلاقی صفات کے ساتھ زندگی گذاری، وہ تعلیم وتربیت کے فن سے نہ صرف واقف تھے؛ بلکہ وہ اس فن سے پوری طرح مسلح تھے اور حدیث وفقہ کی کتابوں کو درجات علیا میں پڑھانے کی استعداد کامل رکھتے تھے۔

مفتی صاحب کے قابل صد افتخار اساتذہ

مفتی صاحب کے اساتذۂ کرام میں سرفہرست محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ، جن کے زیر تربیت رہ کر مفتی حاصل نے عالمانہ زندگی کا درس حاصل کیا، مطالعہ کی گہرائی، مسائل میں باریک بینی، ائمہ اسلام کی حیات وخدمات کا مطالعہ، علم دین کی اہمیت کے ساتھ حسنات دنیا سے پوری واقفیت، یہ ساری چیزیں حضرت محدث جلیل کی تربیت میں رہ کر ان کو سیکھنے کا خوب موقع ملا، ان کے دیگر اساتذہ کرام میں حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ، امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا شاہ حلیم عطا صاحبؒ جیسی نادرۂ روزگار ہستیاں شمار کی جاتی ہیں۔

برادر مکرم حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحبؒ سے بے تکلّفانہ مراسم

دوران قیام دارالعلوم دیوبند مفتی صاحب مرحوم کا محبانہ تعلق ہمارے برادر اکبر حضرت

مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب اعظمیؒ سے بہت بے تکلّفانہ تھا، اکثر یہ حضرات مجلسوں کی زینت بنتے تھے اور اپنے علم وآگہی سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے تھے، اور صدق دلی کے ساتھ یہ دونوں حضرات اخیر تک ایک دوسرے سے برادرانہ اور محبانہ تعلق میں مشہور تھے، حکیم صاحب مرحوم اپنی چائے کی مجلسوں میں اکثر مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دعوت دیتے اور شرکت کرنے کی درخواست کرتے تھے، مفتی صاحب انتہائی خوشی اور انبساط کے ساتھ تشریف لاتے، اور جب تک وقت ساتھ دیتا علمی، دینی اور ادبی معلومات میں تبادلۂ خیال کرتے اور زندہ دلی اور فوائد علمیہ کی ایک بہتر فضا قائم کر کے ایک دوسرے سے جدا ہوا کرتے تھے، مختلف مواقع پر حکیم صاحب مرحوم مفتی صاحب کی قیام گاہ پر تشریف لے جاتے اور وہیں ایک لطیف اور مفید مجلس منعقد ہو جایا کرتی تھی، بے تکلفی کے ساتھ ایک دوسرے کا احترام واعتماد مجلس کی زینت میں اضافہ کا باعث بنتا تھا اور جملہ اہل تعلق اس سے مستفید ہوتے تھے۔

مفتی صاحب نے تاحیات اپنے بنیادی ادارے مفتاح العلوم مئو سے مخلصانہ تعلق قائم رکھا، حضرت محدث جلیل کے مشورہ سے وہاں کی تعلیمی اور ادبی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیا کرتے تھے، جب بھی کوئی اہم موقع ہوتا، مفتی صاحب وہاں بلائے جاتے تھے، مفتاح العلوم کے ایک عظیم جلسہ تقسیم اسناد میں جو غالباً ۱۹۵۳ء میں جامع مسجد کے وسیع میدان میں ہوا، مفتی صاحب نے جلسہ کے تنظیمی امور میں خاطر خواہ حصہ لیا اور اپنے استاذ ومربی حضرت محدث اعظمیؒ کی ہدایات کے مطابق وہاں کی سرگرمیوں میں مشغول رہے، مفتاح العلوم سے فراغت کے بعد جہاں کہیں بھی تعلیمی اور تربیتی اعتبار سے قیام کیا، برابر محدث اعظمیؒ سے رابطہ رکھا، اور ان کی ہدایات کے مطابق کام کیا، ان کی وفاداری کا حال یہ تھا کہ جب بھی وہ اپنے وطن جاتے یا وہاں سے واپس ہوتے مربی جلیل اور اساتذہ کرام کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے مئو میں بریک جرنی (Breake Journey) کرتے، یا مزید کچھ وقت گذارنے کے بعد اپنے وطن واپس جاتے، محدث اعظمیؒ سے اپنے خاص الخاص تعلق کی بنا پر ان سے تعلق رکھنے والے ہر فرد سے اور ان کے خاندان کے جملہ افراد سے مخلصانہ تعلق رکھتے تھے۔

اسلامی فقہ اکیڈمی کی صدارت

دارالعلوم دیوبند میں قیام کے دوران وہاں کے دارالافتاء میں مفتی دارالعلوم کے منصب پر

فائز ہوئے تو اسلامی فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے ذمہ داروں نے ان سے درخواست کی کہ اس اکیڈمی کے رئیس کا منصب قبول فرما کر اپنی ہدایات اور مشوروں سے اس کے لیے ترقی کی راہ عمل تجویز فرمائیں، اور اپنی تجاویز سے ارکان اکیڈمی کو مستفید فرمائیں، الحمدللہ انھوں نے اس پیش کش کو قبول فرمالیا اور تاحیات اکیڈمی کے منصب صدارت پر فائز رہے، اکیڈمی کے سکریٹری جنرل حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ہیں اور سیمینار کے انعقاد کے سکریٹری حضرت مولانا عبیداللہ الاسعدی ہیں، جب تک صحت نے ساتھ دیا، مفتی صاحب نے سیمیناروں میں شرکت فرمائی اور اپنی نگارشات اور تقریروں سے فقہ اسلامی کی روشنی میں مسائل جدیدہ کا حل تلاش کرنے کی لوگوں کو دعوت دی، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اہم ترین ارکان میں تھے، اور فقیہانہ بلندی سے مسائل اور بورڈ کے سیمیناروں اور اجلاس کے ایجنڈے پر غور کرکے اپنی رائے دیا کرتے تھے اور بورڈ کے سبھی جلسوں میں شرکت فرماتے تھے۔

ندوۃ العلماء کے جشن تعلیمی کی تیاری میں مفتی صاحب کی سرگرمی

مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے کہ جب مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب حسنی ندویؒ نے ۱۹۷۵ء میں ندوۃ العلماء کا پچاسی سالہ جشن منعقد کرنے کا فیصلہ فرمایا اور مجلس انتظامی نے اس پر اپنی مہر تصدیق ثبت کردی تو ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں موجود مخطوطات کا تعارف لکھنے کے لیے حضرت مولانا کی نظر انتخاب مفتی صاحب مرحوم پر پڑی، اور دارالعلوم کے ذمہ داروں سے خط وکتابت کرنے کے بعد ان کو کم از کم دو مہینے تک ندوہ میں قیام کرنے کے لیے بلالیا، اس موقع پر مفتی صاحب سے جب میں ملا تو انھوں نے بہت ہی خوشی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ سعید الرحمٰن! میں اب تمہارا مہمان ہوں، میں نے عرض کیا: میرے لیے اس سے بڑی سعادت کیا ہوسکتی ہے؛ چنانچہ ندوہ کے دوران قیام اور پچاسی سالہ اجلاس کی تیاریوں کی مشغولیت کی بنا پر بہت زیادہ خدمت کا موقع نہ مل سکا، مختلف مواقع سے دارالعلوم سے باہر اپنی قیام گاہ پر تشریف لے چلنے کی درخواست کیا کرتا تھا؛ تاکہ وہاں دوپہر کا کھانا نوش فرمائیں اور کھانے کے بعد عصر تک آرام فرمائیں، الحمدللہ اس طرح کے مواقع اُن اوقات میں بھی پیش آتے، جب وہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی میٹنگ یا اجلاس کے موقع پر دارالعلوم ندوۃ العلماء، دیگر ارکان اور علماء کے ساتھ تشریف لایا کرتے تھے، کئی اہم حضرات سے وہ اپنی خاص شفقت کے ساتھ میرا تعارف کراتے اور انتہائی شفقت کے

ساتھ یہ بھی فرماتے کہ سعید الرحمٰن میرے شاگرد ہیں، مجھے بہت خوشی ہوتی تھی اور جی چاہتا تھا کہ میں مفتی صاحب کے قدموں میں رہ کر زندگی گذاروں۔

احقر پر مفتی صاحب کی شفقت

اجلاس ندوۃ العلماء کے دوران قیام، مفتی صاحب کو یہاں کی آب وہوا اور کھانا موافق نہیں آتا تھا، ہم نے گذارش کی کہ مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے گھر کا پکا ہوا روکھا سوکھا کھانا آپ کی خدمت میں لایا کروں، لیکن انھوں نے مجھے اس کی مستقل اجازت نہیں دی؛ اس لیے مواقع کے انتظار میں رہا کرتا تھا؛ تاکہ مفتی صاحب کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کا موقع ملے، انھوں نے مجھے ہر موقع پر بہت دعائیں دیں اور ان کی دعاؤں سے مجھے فائدہ پہنچا، مجھے یاد ہے کہ کئی بار مفتی صاحب نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں کچھ طلباء کے داخلہ کے سلسلے میں مجھے خط لکھا اور میں نے اس کی تعمیل کرنے کی پوری کوشش کی، ندوہ کے تمام ذمہ دار حضرات اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ مفتی صاحب کا بہت احترام اور خاص خیال فرماتے تھے۔ کسی موقع سے جب یہاں تشریف لاتے تو ان کے قیام وطعام کا خاص اہتمام فرمانے کا حکم فرماتے اور اکثر مجھ سے فرماتے کہ دیکھو! مفتی صاحب کا خیال رکھنا۔

مفتی صاحب کے صاحبزادگان

مفتی صاحب کے بڑے صاحبزادے جناب احمد سجاد قاسمی صاحب اپنے وطن کے قرب وجوار میں کسی ہائی اسکول میں استاذ ہیں، دوسرے صاحبزادے جناب حماد میاں صاحب جامعہ رحمانی مونگیر سے فارغ ہوئے اور تیسرے صاحبزادے جناب عباد میاں صاحب مفتی صاحب کے ساتھ رہتے تھے، انھوں نے دارالعلوم دیوبند میں حفظ کیا۔

مفتی صاحب کے خط کا ایک حصہ جو انھوں نے ۱۳۹۲ھ یعنی آج سے چالیس سال پہلے برادر مکرم حضرت مولانا نور عالم صاحب امینی کی خدمت میں بھیجا تھا، اس کا ایک حصہ نقل کرنا یہاں مفید ہوگا؛ اس لیے ان کی کتاب ''پس مرگ زندہ'' سے مفتی صاحب کے خط کا یہ ٹکڑا نقل کیا جارہا ہے۔

''.....عزیزم احمد سجاد سلّمہٗ، فراغت کے بعد گھر گئے تھے، ابھی شوال میں ان کو ''سانحہ'' بھیج کر آیا ہوں، وہاں وہ میٹرک کی تیاری میں ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں کامیاب فرمائے اور میاں حماد سلّمہٗ

کو جامعہ رحمانی مونگیر بھجوادیا ہے؛ اس لیے کہ سانحہ سے قریب ہے، میاں احمد سجاد اس کی نگرانی بھی کریں گے؛ البتہ عباد سلّمہٗ کو اپنے ساتھ لایا، وہ یہاں حفظ کررہے ہیں۔

مولانا علی میاں مدظلہ، مولانا سعید الرحمٰن سلّمہٗ اور مولانا شمس تبریز سے سلام مسنون عرض ہے، اپنی خیریت سے برابر مطلع کرتے رہیں، میرا علمی تعلق ندوہ سے بھی ہے، اس لیے کہ میں وہاں کچھ دنوں طالب علم رہ چکا ہوں، مولانا شاہ حلیم عطا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ناظم صاحب اور مولانا اسحاق صاحب دامت برکاتہم، یہ سب ہمارے اساتذہ رہے ہیں، گوندوہ والے یہ نہیں جانتے۔

طالب دعا
محمد ظفیر الدین، دارالعلوم دیوبند
شب ۶/ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ''

مفتی صاحب کی تصنیفات

حضرت مولانا نور عالم صاحب کی کتاب ''پس مرگ زندہ'' سے مفتی صاحب کے سوانحی خاکہ سے مفتی صاحب کی تصنیفات کے بارے میں نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

(۱) جماعت اسلامی کے دینی رجحانات (۲) اسلام کا نظام مساجد (۳) اسلام کا نظام عفت وعصمت (۴) اسلام کا نظام امن (۵) نظام تعلیم وتربیت (۶) نظام تعمیر سیرت (۷) اسلامی حکومت کے نقش ونگار (۸) تذکرہ مولانا عبداللطیف نعمانیؒ (۹) تذکرہ مولانا عبدالرشید رانی ساگریؒ (۱۰) امارت شرعیہ: دینی جدوجہد کا روشن باب (۱۱) حکیم الاسلامؒ اور ان کی مجالس (۱۲) تعارف مخطوطات کتب خانۂ دارالعلوم دیوبند، دوجلدیں (۱۳) مشاہیر علمائے دیوبند (۱۴) دارالعلوم کا قیام اور اس کا پس منظر (۱۵) حیات مولانا گیلانی (۱۶) اسلامی نظام معیشت (۱۷) تاریخ المساجد (۱۸) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، بارہ جلدیں (۱۹) جرم وسزا کتاب وسنت کی روشنی میں (۲۰) مصائب سرکار دوعالم ﷺ (اسوۂ حسنہ) (۲۱) زندگی کا علمی سفر (خودنوشت) (۲۲) ترجمہ درمختار از ابتدا تا ختم کتاب الطلاق (۲۳) درس قرآن (۲۴) مسائل حج وعمرہ۔

سانحۂ وفات

۲۵/ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق ۳۱/مارچ ۲۰۱۱ء ۸۵ سال اور ۲۵ دن اس دار فانی میں

اپنے علم وتقویٰ اور تواضع، وسعت نظر اور بلندیٔ فکر کی ایک مثال قائم کر کے راہیِ دارآخرت ہوئے اور علمی دنیا میں ایک ایسا خلا پیدا کر گئے جو مشکل سے پر ہوتا ہے، اور علم وعمل کی دنیا میں اس کو ایک بڑے نقصان سے تعبیر کیا جاتا ہے:

مت سہل ہمیں سمجھو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کے درجات بہت بلند فرمائیں، انھوں نے علم وعمل کی جامعیت کے ساتھ اللہ کے دین اور اس کی شریعت اور کتاب وسنت کے علم کو پھیلانے اور اس کے مطابق زندگی گذارنے اور دوسروں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے کی جو سعی بلیغ کی ہے، اللہ اس کو قبول فرمائیں اور دارآخرت میں اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں اور جنت الفردوس کی بہاروں سے پوری طرح سرفراز فرمائیں۔

اس موقع پر یہ عرض کرنا شاید مناسب ہو کہ مفتی صاحب کے مفتاح العلوم مئو کے زمانۂ تعلیم میں حضرت محدث جلیل شیخ الحدیث اور صدر مدرس تھے، اور حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی علوم اسلامیہ کے درجات علیا میں استاذ ومربی تھے، اور میرے والد ماجد حضرت مولانا ایوب صاحب اعظمی مفتاح العلوم کے ناظم اور علوم دینیہ وعقلیہ کے استاذ تھے اور دیگر بڑے اساتذۂ کرام کا ذکر اس مقالہ میں واضح طریقہ سے آچکا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو غریق رحمت فرمائیں اور ان کی خطاؤں اور لغزشوں کو معاف فرما کر جنت الفردوس کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام میں جگہ عطا فرمائیں، آمین۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وعلی آله وأصحابه أجمعین.

❁ ❁ ❁

ہندوستان میں دینِ اسلام کی دو عظیم تحریکیں
دارالعلوم دیوبند اور تبلیغ ودعوت

از: ابواللیث الحسنی کھگڑیاوی
متعلّم دارالعلوم دیوبند

ہر چند کہ مشرق اسلامی کے اس علاقے میں بھی، جو مطلع اسلام، مہبط وحی الٰہی، بعثت گاہِ نبی اعظم ﷺ سے دور افتادہ ہے، ماضی بعید سے ہی، اسلامی تعلیمات واحکامات پڑھنے، پڑھانے اور اسلامی تبلیغ ودعوت پھیلانے، اپنانے، آنکھوں سے لگانے، دل میں بسانے اور اس کی ہمہ گیر خدمتوں کا پرعزم حوصلہ اپنے اندر سموئے ہوئے ہے؛ چناں چہ دینی شعور اور اسلامی تہذیب وتمدن اور اس کے تحفظ وبقاء کے لیے اس روئے زمین پر دو اہم اور بڑی تحریکیں ہیں:

(۱) دارالعلوم دیوبند (۲) تبلیغ ودعوت

بلاتعیین رتبہ دونوں اسلامی دنیا کی عظیم تحریکیں ہیں؛ بل کہ دونوں اغراض ومقاصد کے لحاظ سے انتہائی قریب تر ہیں۔ یہاں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں مکتب فکر کی وضاحت اور ان کے مقصد اولیں کی طرف قدرے اشارہ کروں۔

دارالعلوم دیوبند اور اس کا نصب العین

دارالعلوم دیوبند بلاشک وشبہ کتاب وسنت کا امین، متاع دین ودانش کا نگہبان، اسلامی تعلیمات وروایات کا پاسبان، علم وعرفان کا سنگم، ہندوستان میں تحفظ دین کی اولیں کوشش کا مظہر جمیل، علمائے حق کے جذبۂ ایثار وقربانی کی لازوال یادگار، اکابر کی آہ سحر گاہی ودعائے نیم شبی کا ثمرہ اور اسلام کے تحفظ وبقا کا مرکز ہے، یہی اس عظیم ادارے کی تحریک کے اغراض ومقاصد ہیں، جن کو بالفاظ دیگر، حضرات اکابر کی مختلف تحریرات اور دارالعلوم دیوبند کے قدیم دستور اساسی کی روشنی میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند اور اس جیسے دینی ادارے کا نصب العین قرآن کریم، حدیث، فقہ، عقائد ودیگر اسلامی علوم وفنون کی تعلیم دینا مسلمانوں کو مکمل اسلامی معلومات فراہم کرنا، اسلامی

اخلاق واعمال کو عام کرنا، طلبہ میں اسلامی روح پیدا کرنا، تقریر وتحریر کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ واشاعت کرنا، اسلام کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا وغیرہ وغیرہ(۱)

دعوت وتبلیغ کی حقیقت وضرورت

وہ مقدس ہستیاں، جو لوگوں کو تاریکی سے نور کی طرف، گمراہی سے ہدایت کی طرف، تنگی سے کشادگی کی طرف، ظلم وزیادتی سے عدل وانصاف اور حیوانیت وشیطانیت سے ہٹا کر انسانیت واعزازیت کی طرف نکالنے کے لیے پیدا کی گئی، ان کا دعوتی مشن، فکری کڑھن اور اصلاحی لگن، وہی ہے، جس کو ہم آج دعوت وتبلیغ کے عنوان سے موسوم کرتے ہیں۔ یقیناً یہ دعوت وتبلیغ تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا طرۂ امتیاز ہے، اور پھر انسانی، طبعی، عقلی اور شرعی جملہ حیثیتوں سے بھی یہ ضروری ہے کہ عام خلائق کی صلاح وفلاح اور اس کی دنیاوی واخروی بہبودی کے لیے فکر کیا جائے اور اس بہبودی وہمدردی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس میں کسی جاہ طلبی اور عہدہ مقصود نہ ہو، تو اس میں اسی قدر نفع عام ہوگا، خیریت وہدایت بڑھے گی اور نہ جانے کس قدر پروردگار عالم کے یہاں انعام واکرام میں اضافہ ہوگا۔(۲)

دارالعلوم دیوبند اور تبلیغ ودعوت

دارالعلوم دیوبند تاریخ کے لحاظ سے موجودہ دعوت وتبلیغ پر مقدم ہے؛ کیوں کہ دارالعلوم دیوبند کا قیام ۱۵/محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰/مئی ۱۸۶۶ء میں عمل میں آیا۔(۳) جب کہ وہ تبلیغ ودعوت، جو برسوں سے پژمردہ ہوگئی تھی، اسے اللہ نے دارالعلوم دیوبند ہی کے فرزند مبلغ اسلام حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی محنت وکوشش کے نتیجے میں دوبارہ زندہ کیا، جو تقریباً تیرہویں صدی ہجری کا زمانہ ہے(۴)، گویا یہ تبلیغ کی موجودہ شکل دارالعلوم دیوبند کی ہی فکری اساس کی ایک عظیم تحریک ہے، جو دوسری شکل میں وجود میں آئی؛ خلاصہ یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند اور تبلیغ ودعوت اسلام ومسلمانوں کی ہمہ گیر خدمتوں کے لحاظ سے ایک دوسرے کا ساجھے دار اور معاون ہے۔

دارالعلوم دیوبند کی پرواز

مادر علمی دارالعلوم دیوبند اپنے قیام کے بعد جس اسلامی علوم وفنون کی تعلیم واشاعت، ملک وملت کی دینی ودنیاوی قیادت، تزکیۂ اخلاق، وعظ وتذکیر، تصنیف وتالیف، صحافت وخطابت، دعوت وارشاد اور ملک کی آزادی کے سلسلے میں، جو خدمات انجام دی وہ تاریخ کا روشن باب اور خدمات کا حسین گلدستہ ہے، علاوہ ازیں اس ادارے نے ایسے ایسے رجال کار تیار کیے، جو علم میں

رسوخ، مطالعہ کی وسعت کے ساتھ ساتھ مؤمنانہ فراست، حکیمانہ صلاحیت، ملہمانہ بصیرت، خلوص نیت، ولولۂ دینی، جوش ایمانی، ایثار وقربانی، جذبۂ خدمت کی فراوانی، تواضع وللّٰہیت، اتباع سنت، انابت الی اللہ جیسے اوصاف وکمالات سے متصف تھے، جنھوں نے عالم اسلام میں ایسے ایسے نقوش ثبت کردیے جو برسوں باقی اور جاری وساری رہیں گے؛ بل کہ یوں کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ دارالعلوم دیوبند نے اسلام کی تحریک اور نئی تاریخ دوہرائی، دینی علوم کو غذا پہنچائی اور امت مسلمہ کو صحیح دین سے اور قرآن وحدیث سے منشائے نبوی اور احکامِ الٰہی سے روشناش کرایا۔ (۵)

تبلیغ ودعوت اور اس کی نشو ونما

دعوت وتبلیغ کے متعلق خطیب العصر علامہ عبدالشکور صاحب دین پوریؒ نے یہ فرمایا: الیاس کی محنت ہے کہ جو لوگ فرض نہیں پڑھتے تھے آج ان کی تہجد قضا نہیں ہوتی، جن لوگوں کی نگاہیں غلط تھیں ان کی ادائیں بھی بدل گئیں، جن کی فضائیں ابر آلود تھیں آج روشن وتابناکی کی آسمان میں بدل گئیں (۶)، ہزاروں نہیں؛ بل کہ لاکھوں انسانوں نے اس مشرب سے سیرابی حاصل کی ہے اور کررہے ہیں، اس جدوجہد کی برکت سے جو راہ راست سے دور تھے، جنھیں کلمہ تک یاد نہیں تھا، جو قرآن کی عبارتوں، حدیث کے ترجموں اور دین کی تعلیمات سے بے بہرہ تھے، آج جب وہ اس دعوتی تحریک سے جڑ گئے تو ان تعلیمات واحکامات کی حصول یابی کے بعد دوسروں تک بھی اسے منتقل کرنے کی فکر میں لگ گئے اور لگے ہی رہے، بالفاظ دیگر اللہ کے حبیب حضرت محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت واحکامات کو پہنچانے میں تن من دھن کی بازی لگارہے ہیں اور لگاتے رہیں گے، یہاں تک کہ نبی کا یہ فرمان صادق آجائے: (عن المقداد أنَّه) يقولُ لا يَبقَى على ظهرِ الأرض بيتُ حدرٍ أو وَبرٍ إلاّ أدخلَه اللّٰهُ كلمةَ الإسلام یعنی اللہ کے نبی کا یہ دین ہر پکے اور کچے گھر میں داخل ہوجائے۔ (۷)

چناں چہ آج اس کا خوب خوب مشاہدہ ہورہا ہے، مولانا محمد الیاسؒ صاحب نے یہ جماعت جو تیار کی ہے، اگر یہ اسی طرح ملک ملک، دیہات دیہات، شہر شہر، محلّہ محلّہ پھرتی رہی تو انشاء اللہ ہر گھر مسلمانوں، نمازیوں اور دین داروں سے بھر جائے گا، اللہ اللہ کی پکار، اسلام ہی اسلام کی صدا پوری دنیا میں گونجے گی۔

دارالعلوم دیوبند میں تبلیغی جماعت کی محنت

اللہ تعالیٰ کا بے پایاں کرم ہے کہ ماشاء اللہ طلبہ کے ساتھ بعض اساتذہ بھی ہر ہفتہ اللہ کے

دین کی نشر واشاعت کے لیے قریہ قریہ پھرتے ہیں؛ بل کہ طلبہ چھٹیوں اور رمضان کے موقع پر چلہ اور فارغ ہونے کے بعد ایک سال لگاتے ہیں، جس سے ان کے اندر دینی وعملی انقلاب آجاتا ہے؛ بل کہ اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ ساری دنیا کو صراط مستقیم کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نبی کی دعوت، جدوجہد اور قول وعمل کا سب سے بڑا محرک رضائے الٰہی پیدا ہوجائے، کوئی چیز اللہ کی رضاء کے سوا ان کے سامنے نہیں ہوتی کہ یہ ملے یا وہ ملے(۸)، بل کہ وہ صحیح معنوں میں خلوص وللّٰہیت کا پیکر بن کر احکام خداوندی اور تعلیماتِ نبوی کو عام کرتے ہیں، ہدایت سے بے بہرہ لوگوں کو آبِ ہدایت سے سیراب کرتے ہیں، ان کی زندگی کے نوک وپلک درست کرنے میں دل وجان سے کوشش کرتے ہیں اور اخلاص واستقلال، توکل واعتماد اور زہد وتقویٰ کے ساتھ ہر غریب وامیر، چھوٹے، بڑے اور دین سے بے خبر اَن پڑھ لوگوں کو ایمان وہدایت کی دعوت پیش کرتے ہیں، اپنی دعا وتسبیح اور محنت وکوشش کے ذریعہ ان کی زندگی کو اطاعت وسنت سے آراستہ وپیراستہ کرتے ہیں۔

اگر ان کی زندگی کا قریب سے جائزہ لیا جائے تو ایسا معلوم ہوگا کہ یہ لوگ درحقیقت صحابہؓ کی زندگیوں کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے ہیں، وہ اس منظر کی تاریخ دوہراتے ہیں۔

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کردیا

مأخذ ومراجع

(۱) ص:۹، خطبۂ صدارت کل ہند اجلاس عام رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند، منعقدہ ۱۴؍مئی ۲۰۰۷ء وص:۲۹ مدارس اسلامیہ کے خلاف دہشت گردی کے الزامات کی حقیقت۔

(۲) ص:۷، اسلام اور فریضۂ تبلیغ: مولانا حسین احمد مدنی۔

(۳) ص:۴۰، نقوش اسلام مارچ ۲۰۰۶ء۔

(۴) ص:۳، دارالعلوم دیوبند کے ماضی وحال سے متعلق کچھ ضروری باتیں وص:۴۲ علمائے دیوبند کون اور کیا ہیں؟

(۵) ماخوذ خطبہ صدارت مذکورہ۔

(۶) ص:۳۱۱، خطبات دین پوری۔

(۷) ص:۱۶، مشکوٰۃ شریف۔

(۸) ماخوذ از کتاب ”دین کا نبوی مزاج اور اس کی حفاظت کی ضرورت“۔

❁ ❁ ❁

امامِ حرم فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالرحمٰن السدیس/ حفظہ اللہ
کی
دارالعلوم دیوبند تشریف آوری

از: مولانا محمد ساجد قاسمی
استاذ دارالعلوم دیوبند

وہ آئے گھر میں ہمارے، خدا کی قدرت ہے!
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

(غالب)

اخبارات میں کئی مہینے پہلے یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ ۲۶/مارچ ۲۰۱۱ء مطابق ۱۹/ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ کو جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام دہلی میں منعقد ہونے والی عظمتِ صحابہ کانفرنس میں امامِ حرم شیخ عبدالرحمٰن السدّیس/ حفظہ اللہ شرکت کریں گے۔ کانفرنس میں شرکت سے پہلے ۲۵/مارچ کو دارالعلوم دیوبند تشریف لائیں گے اور مسجد رشید میں جمعہ کی نماز پڑھائیں گے۔ اس خبر سے جہاں دارالعلوم کے اربابِ انتظام، اساتذہ اور طلبہ کو بے پناہ خوشی ہوئی وہیں وابستگانِ دارالعلوم میں بھی خوشی ومسرت کی لہر دوڑ گئی۔

چناں چہ امام حرم کی آمد کے کئی دن پہلے ہی سے دور دراز علاقوں سے عام لوگوں کے آنے کا سلسلہ شروع ہوا، جوں جوں یہ تاریخ قریب آرہی تھی، لوگوں کا ازدحام بڑھ رہا تھا، آنے والے قافلوں کے قیام کے لیے مسجد رشید کا تہ خانہ اور مدرسہ ثانویہ کی درسگاہیں کھول دی گئیں، ادھر مسجد رشید میں لوگوں نے جمعرات کی شام ہی کو جگہ لینی شروع کردی اور پوری مسجد بھر گئی۔ جمعہ کے دن صبح ہی سے لوگوں کے آنے کا زبردست تانتا بندھا رہا، مسجد رشید اور اس کے آس پاس میدانوں،

راستوں اور گلی کوچوں میں لوگوں کا مجمع اکٹھا تھا، ہر طرف لوگ امامِ حرم کے دیدار کے لیے اور ان کے پیچھے دوگانہ ادا کرنے کے لیے بے تاب نظر آرہے تھے۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا لوگوں میں بے تابی بڑھ رہی تھی جس طرح لوگ زمین پر کھڑے امامِ حرم کے منتظر تھے، وہیں دارالعلوم کی تمام عمارتوں کی چھتوں پر نیز شہر میں جدھر نظر جاتی لوگ چھتوں پر کھڑے منتظر نظر آرہے تھے، مجمع شہر کے اندر ہنومان چوک اور جنوب میں پٹھان پورہ اور شمال میں تلہیڑی چنگی اور سہارنپور اور مظفرنگر روڈ تک پہنچ گیا اور پولس انتظامیہ نے اِس روڈ کا ٹریفک روک دیا۔

❁ ❁ ❁

جمعہ کے دن صبح ہی کو حضرت مولانا ارشد صاحب کے ذرائع سے دارالعلوم میں یہ اطلاع آئی کہ امامِ حرم دہلی سے تقریباً ۱۱ر بجے چلیں گے اور دیوبند ۱۲ر بجے پہنچیں گے، اس اطلاع کے بعد اربابِ حل وعقد دارالعلوم نے وقت کی قلت کے پیش نظر پروگرام میں ترمیم کی اور امامِ محترم کو پہلے مہمان خانہ لے جانے کے بجائے سیدھے مسجد رشید لے جانے کا پروگرام بنایا۔

ساڑھے دس بجے دارالعلوم کی طرف سے ایک وفد امام موصوف کے استقبال کے لیے جامعہ طبیہ دیوبند کے پاس ہیلی پیڈ پر پہنچا، ہیلی پیڈ پر شہر کی بھی متعدد شخصیات موجود تھیں اور بڑی تعداد میں وہاں صحافی بھی تھے۔ ہیلی پیڈ پر جانے کے لیے بھی پاس جاری کیا گیا تھا۔ نیز ایک خلقِ کثیر ہیلی پیڈ سے دور سڑک کے کنارے اور درختوں کے سایہ میں امامِ محترم کی آمد اور دید کی منتظر تھی۔ تقریباً بارہ بج کر دس منٹ پر لوگوں کو مشرقی افق پر ایک ہیلی کوپٹر نظر آیا سارے لوگ اس کی طرف متوجہ ہوگئے، وہ ہیلی پیڈ پر آکر اتر گیا، اس میں جناب اظہر الدین ممبر پارلیمنٹ اور وزیر مملکت سلطان احمد سوار تھے، جو امامِ حرم سے ملاقات اور ان کے پیچھے نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لیے دیوبند آئے تھے۔ ابھی کوئی دس منٹ گزرے تھے کہ افق پر ایک دوسرا ہیلی کوپٹر نمودار ہوا سارے لوگ ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہوگئے، یہ بھی ہیلی پیڈ پر آکر اتر گیا، وہاں موجود دارالعلوم دیوبند کے وفد اور دیگر حضرات ہیلی کوپٹر کی کھڑکی کی طرف لپکے اِمام محترم نے اترتے ہی سب کو بآواز بلند سلام کیا، سارے لوگوں نے امامِ محترم کے ارد گرد مصافحہ کرنے اور عقیدت ومحبت کے اظہار کے لیے انھیں پھول پیش کرنے کے لیے ایک ہالہ بنالیا، آپ کے ہمراہ وفد میں سعودی سفیر برائے دہلی، ڈاکٹر فیصل حسن طراد، شیخ احمد رومی اور شیخ یوسف شامل تھے جو آپ کے ہمراہ ہیلی کوپٹر سے آئے تھے۔ پولس انتظامیہ نے آپ کے لیے (Bulet Proof) گاڑی پیش کی، جس پر آپ سوار ہوئے۔ آپ کو طے شدہ پروگرام کے

مطابق قاسم پورہ روڈ سے جدید لائبریری کے پاس والے گیٹ سے سیدھے مسجد رشید لایا گیا، جہاں تمام اساتذہ، طلبہ اور عقیدت مندانِ دارالعلوم کے ایک بڑے مجمع نے آپ کا پرتپاک استقبال کیا، آپ مسجد رشید میں تقریباً پونے ایک بجے پہنچے۔

❁ ❁ ❁

جلسۂ استقبالیہ ہوا، جلسے کی نظامت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری استاذ دارالعلوم نے کی، قاری آفتاب عالم صاحب کی تلاوت سے جلسے کا آغاز ہوا، اس کے بعد اقرار احمد بجنوری متعلّم دارالعلوم دیوبند نے حضرت مولانا ریاست علی ظفر بجنوری دامت برکاتہم کی امام حرم کی شان میں کہی ہوئی نظم پڑھی، جس کا احقر نے عربی میں ترجمہ کیا، جو اردو نظم پڑھے جانے کے وقت امام حرم کی خدمت میں پیش کیا گیا، پھر حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم کارگزار مہتمم دارالعلوم دیوبند نے عربی میں سپاس نامہ پڑھا، جس میں آپ نے امام حرم کی دارالعلوم دیوبند تشریف آوری کو ایک قیمتی اور یادگار موقع قرار دیا، نیز آپ نے فرمایا کہ ”ہم لوگوں کو آپ کی پرتاثیر قرأت سننے کا بارہا اتفاق ہوا، اور بارہا آپ کے دیدار کے شوق نے ہمارے اندر انگڑائی لی۔ آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہ قیمتی موقع نصیب فرمایا کہ آپ ہمارے درمیان موجود ہیں اور ہم اپنی آنکھوں سے آپ کا دیدار کررہے ہیں“ ساتھ ہی آپ نے سپاس نامے میں دارالعلوم دیوبند کی تاریخ اور اس کی خدمات، نیز اس کے مسلک ومشرب پر بھی روشنی ڈالی۔

اس کے بعد امام حرم نے کھڑے ہوکر عربی زبان میں ایک انتہائی موثر اور بلیغ خطاب فرمایا۔ امام حرم نے فرمایا: ”میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکرگزار ہوں کہ اس نے مجھے اس قدیم اسلامی درسگاہ دارالعلوم دیوبند میں حاضری کی سعادت نصیب فرمائی، میرے لیے یہ ایک تاریخی دن ہے، دارالعلوم دیوبند عرصہ دراز سے گراں قدر خدمات انجام دے رہا ہے، میں آپ لوگوں کی خدمت میں سعودی حکومت، اس کے فرماں روا خادم الحرمین الشریفین شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز/ وفقہ اللہ، مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ کے علما، ائمہ حرمین اور سعودی عوام کی طرف سے سلام اور خراجِ عقیدت پیش کرتا ہوں، سعودی عوام، دارالعلوم دیوبند کی خدمت اور برصغیر کے مسلمانوں کی دین ومذاہب سے وابستگی اور سرزمین حجاز سے ان کی عقیدت ومحبت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اس زبردست مجمع کا یہاں مشقت برداشت کرکے آنا اس عقیدت ومحبت کا نمایاں مظہر ہے۔ میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس پر آپ کو اجر عطا فرمائے۔

میں سعودی حکومت کے ترجمان کی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند کے اربابِ انتظام، اساتذہ اور طلبہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جنھیں علم اور اہل علم سے بے انتہا تعلق ہے، اللہ تعالیٰ ان کی جدوجہد میں برکت دے اور جزائے خیر عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ایک مسلمان کو یہ پاکیزہ چہرے اور یہ مبارک اجتماع دیکھ کر کتنی خوشی ہوتی ہے۔ یہ مجمع اسلام، حرمین شریفین اور سعودی حکومت کی محبت میں جمع ہوا ہے۔ حقیقت میں یہ ایک نمایاں تاریخی اجتماع ہے۔

بھائیو! آپ نے تعظیم وتکریم، پرتپاک استقبال اور عقیدت ومحبت کا مظاہرہ کیا، اس پر اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، میرے پاس آپ کی اس خدمت کے شکریہ کے لیے الفاظ نہیں ہیں، میں آپ کے لیے اللہ تعالیٰ سے خیر اور توفیق کی دعا کرتا ہوں۔

الحمدللہ دارالعلوم دیوبند اس خطے میں علم وایمان کے ہتھیار سے لیس نسل پیدا کرنے کے حوالے سے ایک روشن مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ادارے کو یہاں کے ذمے داروں، اساتذہ اور طلبہ کو برکات سے نوازے۔ آج میں یہاں پہنچ کر بے انتہا خوشی محسوس کررہا ہوں، نیز سفیر محترم اور ہمراہ وفد کے چہروں پر بھی خوشی ومسرت کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ تمام حضرات کو بہت بہت جزائے خیر دے، اور دارالعلوم کو برکات سے نوازے''

امام محترم کی اس تقریر کا اردو میں خلاصہ حضرت مولانا محمد ارشد صاحب نے پیش کیا، اس کے بعد سعودی سفیر ڈاکٹر فیصل حسن طراد نے مختصر تقریر کی، جس میں انھوں نے دارالعلوم دیوبند کے ذمے داروں اور مولانا محمد ارشد مدنی صاحب کا شکریہ ادا کیا، نیز حاضرین نے جس گرم جوشی اور عقیدت ومحبت کا مظاہرہ کیا، اس پر انھوں نے دعا دی اور تشکر کے کلمات کہے۔

❁ ❁ ❁

پھر اذانِ جمعہ ہوئی، اس کے پانچ منٹ کے بعد امامِ محترم منبر پر تشریف لائے اور دوسری اذان ہوئی پھر آپ نے پہلا خطبہ دیا، اس میں آپ نے مسلک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ کرام مثلاً امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد سب ہمارے مقتدا اور پیشوا ہیں، ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کے چشمۂ علم وعرفان سے سیرابی حاصل کی ہے، یہی علمائے اسلام مقتدا اور پیشوا ہیں، ضروری ہے کہ مسلکی اختلافات کے باوجود ان کا ذکرِ خیر کیا جائے، اور مختلف مسالک کے ماننے والے

ایک دوسرے کی رائے کا احترام کریں اور پاس، ادب رکھیں‘‘

پھر دوسرا خطبہ دیا جس میں آپ نے ہندوستانی حکومت، ہندوستانی عوام اور دارالعلوم دیوبند کے ذمے داروں کو دعائیں دیں اور ان کا شکریہ ادا کیا۔

اس کے بعد آپ نے جمعہ کی نماز پڑھائی۔ مسجد رشید، دارالعلوم اور دیوبند کے گلی کوچوں میں امامِ حرم کی وہی آواز گونج رہی تھی جو حرم میں گونجتی ہے۔ آپ کے پیچھے تقریباً پانچ لاکھ لوگوں نے نمازِ جمعہ ادا کی۔

نماز کے بعد آپ کو مسجد رشید سے دارالعلوم کے اندر بھیڑ کے درمیان سے مہمان خانہ لایا گیا، پورے راستے بھیڑ بے انتہا تھی، مہمان خانے کے گیٹ پر گاڑی پہنچی، حضرت مولانا محمد ارشد صاحب نے مہمان خانے کے اندر جانے کے لیے کہا، امامِ محترم نے اتر کر اندر جانے کا ارادہ کیا، لیکن سفیر صاحب نے امڈتی ہوئی بھیڑ کے پیش نظر گاڑی سے اترنے سے روک دیا کہ گاڑی سے اترنے کے بعد اژدحام کے سبب دوبارہ سوار ہونے میں زحمت ہوگی؛ چناں چہ آپ سیدھے ہیلی پیڈ پہنچے۔

۲۰ ربیع الثانی کو دارالعلوم کی طرف سے چند اساتذہ امامِ حرم کی خدمت میں دہلی دارالعلوم کی اہم علمی مطبوعات وغیرہ کچھ تحائف پہنچانے اور رجسٹر معائنہ میں دارالعلوم کے بارے میں کچھ تاثرات لکھوانے کے لیے بھیجے گئے، آپ نے وہ تحائف قبول کیے اور تاثرات لکھنے کے لیے رجسٹر اپنے پاس رکھ لیا۔

پھر ۲۵ ربیع الثانی مطابق ۳۰ مارچ کو دارالعلوم کی طرف سے امامِ حرم، سعودی سفیر اور سعودی وزیر خارجہ کے نام شکریہ کے خطوط پہنچانے کے لیے ایک وفد سعودی سفارت خانہ بھیجا گیا، جس کے سربراہ حضرت مولانا محمد ارشد صاحب تھے، راقم الحروف، مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری اور مولانا منیر الدین صاحب بھی اس وفد میں شامل تھے، سفیر صاحب نے بتلایا کہ امام صاحب مہمان خانے میں جانا چاہتے تھے؛ لیکن اژدحام کے پیش نظر میں نے انھیں اترنے سے روکا، نیز انھوں نے بتلایا کہ وہ دیوبند اور دہلی کے پروگراموں میں شرکت سے بے حد خوش تھے۔ سفیر صاحب نے وہ معائنہ رجسٹر بھی ہم لوگوں کے حوالے کیا جس میں امامِ محترم نے دارالعلوم کے بارے میں اپنے گراں قدر تاثرات ثبت فرمائے تھے۔ آپ نے اس میں تحریر فرمایا:

’’اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد ارشد مدنی صاحب کی دعوت پر مجھے دارالعلوم دیوبند میں حاضری

کا موقع عطا فرمایا، وہاں کثیر مجمع کی طرف سے جو میرا استقبال ہوا اور پذیرائی ہوئی، اس سے مجھے بے حد خوشی ہوئی، اس بلند قامت علمی درسگاہ اور قدیم تربیتی قلعہ میں جو مبارک خدمات انجام دی جارہی ہیں، اس پر اللہ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے اور جو خدمات انھوں نے پیش کی ہیں، ان پر وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔ میں انھیں اور خود اپنے آپ کو تقویٰ، عقیدۂ صحیحہ کی، مزید خدمت، اور سلف صالح کے نہج سے وابستگی کی وصیت کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں میں برکت عطا فرمائے اور ثابت قدمی سے نوازے۔''

امامِ محترم کے دورہ کے بعد یہاں دارالعلوم اور شہر کے ماحول میں آپ کی یادوں کی خوشبو ہفتوں محسوس کی جاتی رہی، ان شاء اللہ آپ کا یہ دورہ دارالعلوم کی تاریخ کا ایک اہم حصہ بنے گا۔

❁ ❁ ❁

ابّا جان کی وفات پر
وہ فقہ وفتاویٰ علمِ نبی کا نیّر تاباں ڈوب گیا

از: مولانا احمد سجاد قاسمی
پورہ نوڈیہا، دربھنگہ

ہر سمت اداسی چھائی ہے مغموم یہاں ہر پیر و جواں
ہر دل میں غموں کا طوفاں ہے ہر چہرے سے ہے کرب عیاں
نمناک بنی ہیں ہر آنکھیں ماحول میں ہر سو آہ وفغاں
پژمردہ ہیں سب گلہائے چمن اور دیدۂ نرگس اشک فشاں
اے حلم ومروت کے خوگر اے مہر ومحبت کے پیکر
اے رہروِ راہِ خلد بریں پھر ڈال دے شفقت سے تو نظر

وہ خواب سلیمانؔ ندوی کے وہ عاشقِ حضرت گیلانی
محبوبِ حبیبؔ رحماں تھے شاگردِ رشیدِ نعمانی
وہ دیدۂ طیبؔ مدنی کے دلدادۂ منتؔ رحمانی
اسلاف کے تھے وہ عکس حسیں اور ان سے تھا رشتہ روحانی
وہ فقہ وفتاویٰ علم نبی کا نیّر تاباں ڈوب گیا
سرتاپا جو درس قرآں تھا وہ مہرِ درخشاں ڈوب گیا

وہ نرم مزاج وشیریں زباں وہ جود وسخا کا نقشِ حسیں
تھی ذوقِ عبادت سے ہر دم مہتاب سی روشن ان کی جبیں
تھے آپ تصنّع سے عاری اور ان میں تکلف کچھ بھی نہیں
وہ سہل نگار وسہل بیاں، وہ سہل پسندی کے تھے امیں
اخلاقِ جلیلہ کا حامل تربت میں ابھی خوابیدہ ہے
تھا لمبا سفر، اب منزل پر آسودہ ہے آرامیدہ ہے

''ترتیب فتاویٰ'' علم فقہ کی دنیا میں شہکار بنی
تو ''اسوۂ حسنہ'' عشقِ نبی کے جذبے کا اظہار بنی
پھر ''عفت وعصمت'' کی شہرت سے دنیا لالہ زار بنی
اور ایک ''نظام امن'' تری لوگوں کے گلے کا ہار بنی
''تاریخ مساجد'' بھی لکھی اور اس کے نظامِ اعلا کو
اور ''درسِ قرآں'' کی خوشبو سرشار کرے گی دنیا کو

تخریج مسائل میں یکتا تحقیق کے فن میں تو اعلیٰ
تحریر تمہاری اہل قلم کے واسطے روشن مینارا
سب تجھ سے محبت کرتے ہیں تو سب کی آنکھوں کا تارا
جو کام ادارے کرتے ہیں وہ تنہا تونے کرڈالا
اب قادرِ مطلق کی جانب سے جنت میں اکرام ملے
ہر حرف کے بدلے میں تجھ کو اعزاز ملے، انعام ملے

سب آپ کے مرشد اور بڑے ہیں آج یقیناً خلدنشیں
استاذ جو دل کی دھڑکن تھے وہ سب کے سب ہیں زیرزمیں
غمخوار میاںؔ صاحب تیرے ہمدرد عتیقؔ مفتیٔ دیں
احباب میں ازہرؔ شاہ ہوں یا علامہ بہارؔی کوئی نہیں
یوں دنیا میں جو آئے ہیں سب جانے کو ہی آئے ہیں
پھر ہوک سی دل میں کیوں اٹھی کیوں ہر سو غم کے سائے ہیں

جب دارالافتا کی مجلس میں چائے کی پیالی آئے گی
کچھ چشم حزیں اس محفل میں کچھ اور ہی شے چھلکائے گی
اور ہنستے کھلتے چہروں پر یکلخت اداسی چھائے گی
اک آہ بھی نکلے گی دل سے اور عرش تلک وہ جائے گی
سب لوگ عبیدِ رحمؔاں سے تب دل کا حال سنائیں گے
اور غم کو ہلکا کر کرکے بادیدۂ نم اٹھ جائیں گے

❁ ❁ ❁